خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ
(الحدیث)

اسلامیات

ساتویں جماعت کے لیے



سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ

خَیرُکُم مَن تَعَلَّمَ القُرآنَ وَ عَلَّمَہٗ

(الحدیث)



اسلامیات

سا تویں جماعت کے لیے

(1997ء کے نظر ثانی شدہ نصاب کے مطابق)

سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو (سندھ)

ناشر

اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی

تیار کردہ و منظور شدہ: وفاقی وزارتِ تعلیم، حکومت پاکستان، بذریعہ سرکلر نمبر F-1-12/97-1E مورخہ 10 جنوری 1998ء

واحد درسی کتاب برائے مدارس صوبہ سندھ

زیر نگرانی

چوہدری منیر احمد

جوائنٹ ایجوکیشنل ایڈوائزر، وزارتِ تعلیم، حکومتِ پاکستان، اسلام آباد

مُصَنِّفِین

۱۔ پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
۲۔ پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ قاضی
۳۔ پروفیسر شبیر احمد منصوری
۴۔ پروفیسر ڈاکٹر احسان الحق
۵۔ عبد الستار غوری
۶۔ پروفیسر افتخار احمد بھٹہ

نظر ثانی

۱۔ پروفیسر ڈاکٹر احسان الحق
۲۔ پروفیسر شبیر احمد منصوری
۳۔ عبد الستار غوری
۴۔ پروفیسر افتخار احمد بھٹہ
۵۔ پروفیسر قاضی صلاح الدین
۶۔ امتیاز خان
۷۔ عبد الخالق ترہ کئی
۸۔ قاری سید شریف ہاشمی
۹۔ پروفیسر محمد طاہر مصطفیٰ
۱۰۔ عفت سلطانہ
۱۱۔ محمد ناظم علی خاں ماتلوی

ادارت

عبد الحکیم پٹھان

لے آؤٹ اینڈ کمپوزنگ

محمد اکبر خانزادہ

مطبوعہ سعد پرنٹرز کراچی

فہرست



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اول

قرآن مجید

(الف) ناظرہ: پارہ نمبر ۱۶ تا ۲۲ (۷ پارے)

(ب) حفظ قرآن: سورۃ الیل، سورۃ الضحیٰ، سورۃ الانشراح، سورۃ التین

(ج) مواد برائے حفظ و ترجمہ: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا .... (تا ختم سورۃ البقرہ)

(الف) ناظرہ:

پارہ نمبر ۱۶ تا ۲۲ (۷ پارے) قرآن مجید سے باقاعدہ پڑھائے جائیں۔

وضاحت:۔ معلم کو چاہیئے کہ طلبہ کو ناظرہ والا حصہ قرآن مجید سے باقاعدہ پڑھائے۔ ناظرہ اور حفظ والے حصے کا دوران سال امتحان لیا جائے، سالانہ امتحان کے موقع پر بھی زبانی امتحان لیا جائے اور اس میں حاصل کردہ نمبر رزلٹ شیٹ میں باقاعدہ الگ درج کیے جائیں۔ اسلامیات کے کل سو نمبروں میں سے اس کے لیے چالیس نمبر مقرر کیے گئے ہیں اور اسلامیات میں پاس ہونے کے لیے اس حصے میں کامیابی لازمی ہے۔



(ب) حفظِ قرآن

سُورَةُ الَّيلِ

سُورَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴿١﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴿٢﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ
وَالْاُنْثٰٓى ﴿٣﴾ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ﴿٤﴾ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿٥﴾
وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴿٦﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ﴿٧﴾ وَاَمَّا مَنْۢ
بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ﴿٨﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ﴿٩﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ
لِلْعُسْرٰى ﴿١٠﴾ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ﴿١١﴾ اِنَّ عَلَيْنَا
لَلْهُدٰى ﴿١٢﴾ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿١٣﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا
تَلَظّٰى ﴿١٤﴾ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿١٥﴾ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿١٦﴾
وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿١٨﴾
وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿١٩﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ
رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿٢١﴾



سُوْرَةُ الضُّحٰى

سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالضُّحٰى ۝١ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝٢ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝٣
وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝٤ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ
فَتَرْضٰى ۝٥ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝٦ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا
فَهَدٰى ۝٧ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝٨ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝٩
وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝١٠ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝١١

سُوْرَةُ الْاِنْشِرَاحِ

سُوْرَةُ الْاِنْشِرَاحِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝١ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝٢
الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝٣ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝٤ فَاِنَّ مَعَ
الْعُسْرِ يُسْرًا ۝٥ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝٦ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝٧
وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝٨

سُوْرَةُ التِّيْنِ

سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ﴿١﴾ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴿٢﴾ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴿٣﴾
لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴿٤﴾ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ
سٰفِلِيْنَ ﴿٥﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿٦﴾
فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ﴿٧﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨﴾



(ج) مواد برائے حفظ و ترجمہ

برائے حفظ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ
اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ
اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا
مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وَارْحَمْنَا ۟
اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ۝

برائے ترجمہ

اے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو، تو ہم سے مُؤاخذہ نہ کیجیو۔ اے پروردگار، ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیو، جیسا تونے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے پروردگار، جتنا بوجھ اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں اتنا ہمارے سر پر نہ رکھیو۔ اور (اے پروردگار) ہمارے گناہوں سے در گزر کر۔ اور ہمیں بخش دے۔ اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا مالک ہے۔ اور ہم کو کافروں پر غالب کر۔

باب دوم

اِیمانیات و عِبادات

(الف) اِیمانیات

رسالت کی حقیقت اور ضرورت

دُنیا میں انسانی زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے یہی کافی نہیں ہے کہ اس کی پرورش اور نشوونما کے لیے اسے زندگی کی بُنیادی ضروریات فراہم کردی جائیں بلکہ اس سے بڑھ کر انسان کی ایک ضرورت یہ بھی ہے کہ کوئی ایسا ہو جو اس کو زندگی کا حقیقی مقصد سمجھائے۔ اس کو مالکِ حقیقی کا راستہ بتائے اور یہ بتائے کہ زندگی کیا ہے اور زندگی کے یہ سب سامان کس نے اور کیوں عطا فرمائے ہیں؟ جس ہستی نے یہ سب کچھ بخشا ہے اس کی مرضی کیا ہے اور اس کی خوشنودی کا راستہ کون سا ہے؟ زندگی کیسے گزاری جائے؟ دائمی کامیابی کیسے حاصل کی جائے؟

اللہ تعالیٰ نے ان تمام مُعاملات میں انسان کی رہنمائی کے لیے نہایت پاکیزہ فکروعمل والے انسانوں کو مُنتخب فرمایا۔ انھیں دین، اخلاق اور شریعت کا علم عطا فرمایا، تاکہ وہ قول و فعل اور اپنے مثالی کردار سے بنی نوع انسان کو دین اور دنیا کی بھلائی کا درس دیں۔ ان پاک ہستیوں کو، رسول یا پیغمبر کہتے ہیں۔ ان کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوتا ہے۔

ضرورتِ رسالت

انسان کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ وہ صحیح راہ کی واقفیت حاصل کرے۔ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے؟ نیکی اختیار کرنے اور خیر کے راستے پر چلنے کا فائدہ کیا ہے؟ بدی اختیار کرنے اور شر کے راستے پر چلنے کا نقصان کیا ہے؟ انسان خود اپنے حقیقی نفع اور نقصان سے پورے طور پر آگاہ نہیں ہوسکتا۔ انسان نہیں جانتا کہ اس کی زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ زندگی کا سچا اور حقیقی مقصد کیا ہے؟ وہ اس دنیا میں کہاں سے آیا اور موت کے بعد کہاں چلا جاتا ہے؟ وہاں اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آتا ہے؟ انسان کی کامیابی اور ناکامی کا ان سوالوں کے جواب سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ لیکن انسان کے پاس ان سوالوں کا درست جواب معلوم کرنے کا اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں کہ ان کا جواب خود وہ

ہستی فراہم کردے جس نے انسان کو بھی پیدا فرمایا اور کائنات کو بھی۔ اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور رسول مقرر فرمائے اور انھیں انسانی ضروریات اور فلاح و کامرانی کی تمام باتیں بتائیں۔ پھر ان کے ذمے یہ بات لگادی کہ وہ یہ علم دوسرے انسانوں تک پہنچادیں۔

ایسے تمام انسان جن کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رہنمائی اور لوگوں کو صحیح علم فراہم کرنے کے لیے مقرر فرمایا، نہایت سچے اور دیانت دار انسان تھے، جو کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ اس لیے لوگ ان کی بات پر یقین کرتے تھے۔ اخلاق و کردار کے لحاظ سے بھی یہ انبیاء بے داغ سیرت کے مالک ہوتے تھے اور عقل و دانش کے اعتبار سے بھی اپنے اپنے زمانے کے بہترین انسان تھے۔ جو لوگ ان کی باتوں پر ایمان لے آتے تھے، وہ بھی سیرت و کردار کے لحاظ سے بہترین انسان بن جاتے تھے۔ ایسے لوگوں کی بات نہ ماننا عقل مندی نہیں۔ ہم بیماریوں کا علاج نہ جانتے ہوں تو ڈاکٹر کی بات اور اس کے علاج پر اعتماد کرتے ہیں اور اس سے بحث نہیں کرتے۔ اسی طرح جس بات کا علم یا طریقہ ہمیں معلوم نہ ہو، اس کے بارے میں ان ہستیوں سے معلوم کرتے ہیں جو ان کے متعلق صحیح علم رکھتی ہوں۔ اسی طرح جو مفید باتیں ہمیں انبیاء کرام عَلَیہِمُ السَّلَام جیسے دیانت دار اور بلند کردار انسان بتاتے ہیں اور اس دعوے سے بتاتے ہیں کہ انسانوں تک یہ تمام باتیں پہنچانے کے لیے انھیں خود اس کائنات کے خالق نے مقرر فرمایا ہے۔ انھیں تسلیم نہ کرنا کوئی عقل مندی کی بات نہیں، جبکہ یہ باتیں جاننا ہمارے لیے ضروری بھی ہیں اور ان کے جاننے کا ہمارے پاس ان انبیاء و رسل علیہم السلام کے علاوہ یقینی اور صحیح علم پر مبنی کوئی دوسرا ذریعہ بھی نہیں۔ یہ باتیں عقل کے مطابق بھی ہیں اور اس کے ماننے والوں کی زندگیوں میں بھی اس کی وجہ سے نہایت خوشگوار اور مُفید تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔

خَتمِ نُبُوّت

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ہر اُمّت کی طرف اپنے نبی اور رسول بھیجے تاکہ ان کی یہ اہم ترین ضرورت پوری ہوسکے اور وہ اپنی زندگی کے حقیقی مقصد کو پہچان سکیں۔ انسانی رہنمائی اور زندگی کے بلند ترین مقصد کی وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ نے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو بھیجا۔ آپ ﷺ کے بعد اب قیامت تک کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر قرآن مجید نازل فرمایا۔ قرآن مجید آخری آسمانی کتاب ہے۔ اس کے بعد اب کوئی کتاب نہیں آئے گی۔ ہمارے خالق و مالک نے اِنسانی رہنمائی کے لیے دین اسلام کو مکمل کردیا ہے۔

رسول اللہ کی بِعثت کا مقصد

رسول اکرم ﷺ کی بِعثت کا مقصد قرآن کریم میں یوں بیان ہوا ہے:

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ (ابراھیم:۱)

"الف لام را۔ (اے محمدؐ) یہ کتاب ہے جس کو ہم نے تمھاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ، ان کے رب کی توفیق سے، اس اللہ کے راستے پر جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔"

تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لانے کا مطلب شیطانی راستوں سے ہٹا کر رب کریم کے راستے پر لانا ہے۔ ہدایت انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ کے بندوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہیں۔

توفیقِ ہدایت

ہدایت کی توفیق صرف ایسے انسان کو ملتی ہے جو خود ہدایت کا طالب ہو۔ ضد، ہٹ دھرمی اور تعصب سے پاک ہو۔ اپنے نفس کا بندہ اور اپنی خواہشات کا غلام نہ ہو۔ آنکھوں، کانوں اور دل و دماغ سے کام لے۔ ہر معقول بات پر توجہ دے۔ دل کی گہرائیوں سے سچی بات کا اعتراف کرے اور اپنے آپ کو پاکیزہ فکر و عمل کا عادی بنائے۔

گمراہی اور گمراہی سے بچانے کا اہتمام

ہدایت کے بغیر انسان اپنے خالق اور پروردگار کو بھول جاتا ہے۔ شَجَر و حَجَر اور شَمس و قَمَر کی پوجا کرنے لگتا ہے۔ دماغ صحیح سوچتا نہیں۔ دل معبود حقیقی کے ذکر اور شکر سے خالی ہوجاتا ہے۔ لیکن پھر اللہ کی رحمت جوش میں آتی ہے۔ نبوت و رسالت کے ذریعے انسان ہر دو جہاں کی فلاح کا راستہ دیکھتا ہے۔ اپنے آپ کو پہچانتا ہے۔ بنی نوع انسان کے حُقُوق سے آشنا ہوتا ہے۔ اس میں ادائگی فرض کا احساس بیدار ہوتا ہے۔ خواہشاتِ نفس پر قابو پاتا ہے۔ اپنا تزکیہ کرتا ہے اور اس کے دل میں بندگی رب کا ذوق و شوق، تقویٰ، حُبِ الٰہی اور ذکر و شکر کی کیفیات جنم لیتی ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (الانعام)

"پس (حقیقت یہ ہے) جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔"

مشق

۱۔ انسان کی سب سے بڑی ضرورت کیا ہے؟

۲۔ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟

۳۔ ضرورتِ رسالت کے متعلق تفصیل سے بیان کریں۔

۴۔ ہدایت کی توفیق کن لوگوں کو ملتی ہے؟

۵۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد بیان کریں۔

۶۔ خالی جگہ پُر کریں:۔

(الف) اللہ جسے ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے، اس کا سینہ .... کے لیے کھول دیتا ہے۔

(ب) اللہ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ کتاب اس لیے نازل کی کہ وہ لوگوں کو .... سے نکال کر .... میں لائے۔

(ج) حضرت محمد ﷺ کے بعد اب قیامت تک کوئی .... نہیں آئے گا۔

(د) اے اللہ تو ہمیں .... کا راستہ دکھا۔



(ب) عِبادات

دُعا کی فضیلت و اہمیّت

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "دعا عبادت کا مغز ہے۔" یہ بندے اور رب کے درمیان تعلق پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ دعا کے لفظی معنی پکارنے کے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

أُدْعُونِیٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: ٦٠)

ترجمہ: "تم مجھے پکارو میں تمھاری پکار کا جواب دوں گا۔"

دعا نہ مانگنا تکبّر کی علامت ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ جو لوگ دعا نہ مانگ کر تکبر کرتے ہیں وہ جہنم میں داخل ہوں گے۔ دعا صرف اللہ سے مانگنی چاہیے۔ کیونکہ حاجت روائی اور کار سازی کے سارے اختیارات اللہ ہی کے پاس ہیں۔ سب اس کے محتاج ہیں۔ اس کے سوا کوئی نہیں جو بندوں کی پکار سنے اور ان کی دعا قبول کرے۔ اس لیے انسان کو اپنی چھوٹی ضرورت کے لیے بھی اللہ ہی کی طرف مُتوجّہ ہونا چاہیے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ آدمی کو اپنی ساری حاجتیں اللہ ہی سے مانگنی چاہییں۔ یہاں تک کہ اگر جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ ہی سے مانگے اور اگر نمک کی ضرورت ہو تو وہ بھی اسی سے مانگے۔

دعا میں عاجزی

دعا انتہائی عاجزی اور خُشوع و خُضوع کے ساتھ مانگنی چاہیے۔ خشوع اور خضوع سے مراد یہ ہے کہ دعا مانگنے والے کا دل اللہ کی ہیبت اور عظمت و جلال سے لرز رہا ہو اور جسم پر خوف و رِقّت طاری ہو۔ دراصل دعا مانگتے وقت آدمی کو یہ تصوّر کرنا چاہیے کہ میں ایک درماندہ فقیر ایک بے نوا مسکین ہوں اور اگر اس در سے بھی ٹھکرا دیا گیا تو پھر میرے لیے کہیں کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ میرے پاس اپنا کچھ نہیں ہے جو کچھ بھی مجھے ملا ہے وہ سب اللہ نے عطا کیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اپنی دعاؤں کے قبول ہونے کا یقین رکھتے ہوئے سچے دل سے دعا کی جائے۔ اللہ ایسی دعا قبول نہیں کرتا جو غافل اور بے پروا دل سے نکلی ہو۔

دُعا اللہ ہی قبول کرتا ہے

جب کوئی ضرورت مند اللہ تعالیٰ سے اس نیت سے دعا مانگتا ہے کہ میری مُصیبت کو ختم کرنے والا اور میری ضرورتیں پوری کرنے والا صرف اللہ ہے، جو بے حد رحیم و کریم ہے، وہ اس پوری کائنات کا خالق و مالک ہے، زمین و آسمان کے تمام خزانے اُس کے قبضے میں ہیں اور وہ جسے عطا کرنا چاہے، عطا کرتا ہے اور جس سے چھیننا چاہے اس سے چھین سکتا ہے، تو اس کی مراد ضرور پوری ہوتی ہے، اور اگر نہیں بھی پوری ہوتی تو اس میں بھی کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دعا میں ہم جو چیز مانگ رہے ہوں وہ ہمارے لیے مُفید نہیں، بلکہ مُضِر ہو۔ لیکن دعا مانگنے کا اجر اس شخص کو آخرت میں ضرور ملے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ اس کی مثال ہم اس طرح سے لے سکتے ہیں کہ ایک ماں جو اپنے بچوں کو دل و جان سے بھی زیادہ چاہتی ہے اللہ تعالیٰ اس ماں سے ستر گنا زیادہ اپنے بندے سے محبت کرتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ دعا بھی صرف اسی سے مانگی جائے۔

نبی کریم ﷺ نے ایک بار تین ایسے اصحاب کا واقعہ سنایا جو ایک اندھیری رات کو ایک غار میں پھنس گئے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے اپنے نیک اعمال کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کی اور اللہ نے ان کی مصیبت کو دور فرما دیا۔

ایک سچے مسلمان کی پہچان یہ ہے کہ وہ رنج و راحت، دکھ سکھ، تنگی اور خوشحالی، مصیبت اور آرام، ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اسی کے حضور اپنی حاجتیں پیش کرتا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہمیشہ نیک مَقاصِد کے لیے دعا کریں اور اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق سنوارنے کی کوشش کریں۔

مشق

۱۔ دُعا مانگنا کیوں ضروری ہے؟

۲۔ دُعا کس طرح مانگنی چاہیے؟

۳۔ دعا اللہ ہی قبول کرتا ہے، تفصیل سے بیان کریں۔

۴۔ ایک سچے مُسلمان کی کیا پہچان ہے؟

۵۔ خالی جگہ پُر کریں:

(الف) دعا عبادت کا .... ہے۔

(ب) دعا کے لفظی معنی .... کے ہیں۔

(ج) اگر جوتی کا .... ٹوٹ جائے، تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنا چاہیے۔

(د) اللہ تعالیٰ ایسی دعا قبول نہیں کرتا، جو .... دل سے نکلی ہو۔



زکوٰۃ اور قرضِ حسنہ

انسان سچے دل سے ایمان لاتا ہے تو اس کے تمام اعمال احکام الٰہی کے تابع ہونے لگتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق معاشی معاملات دین کا ایک اہم حصہ ہیں۔ انسان اپنی دولت اللہ تعالیٰ کے حکم پر خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایثار کی قدر کرتے ہوئے اس خرچ شدہ مال کو اپنے ذمے قرض قرار دیتا ہے اور اپنے بندوں سے یہ وعدہ فرماتا ہے کہ وہ ان کا یہ قرض کئی گنا بڑھا کر واپس کرے گا۔

اللہ تعالیٰ اس بارے میں ارشاد فرماتا ہے:۔

إِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۙ (التغابن:۱۷)

ترجمہ: "اگر تم اللہ کو قرض حسنہ دو تو وہ اس کے ثواب کو تمہارے لیے بڑھاتا چلا جائے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تو بڑا قدر دان اور بردبار ہے۔"

فرضیتِ زکوٰۃ

زکوٰۃ ان لوگوں پر فرض ہے جن کے پاس ایک خاص مقدار میں سونا، چاندی، روپیہ یا سامان تجارت موجود ہو اس خاص مقدار کو نصاب کہتے ہیں، زکوٰۃ کسی مال پر اس وقت واجب ہوتی ہے، جب اسے جمع کیے ہوئے پورا ایک سال گزر چکا ہو۔ زکوٰۃ کی ادائگی کے چند اصول اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کیے ہیں۔ یہ چند اصول مُندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ زکوٰۃ صرف مسلمانوں سے لے کر مسلمانوں ہی کو دی جاسکتی ہے۔

۲۔ وہ عزیز و اقارب جن کی کفالت فرض ہے۔ جیسے ماں، باپ، بیٹا، بیٹی وغیرہ ان کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ البتہ عزیز رشتے داروں کو غیروں کے مقابلے میں ترجیح دینی چاہیے۔

۳۔ زکوٰۃ ہمیشہ مستحق لوگوں کو ادا کرنی چاہیے اور اس چیز کا اطمینان بھی کر لینا چاہیے کہ زکوٰۃ کی رقم مستحق افراد کو مل گئی ہے۔

۴۔ زکوٰۃ کی رقم سے ضرورت کی اشیا بھی خرید کر دی جاسکتی ہیں۔

۵۔ اپنے محلے یا بستی کے مستحق لوگوں کو زکوٰۃ دینی چاہیے۔ لیکن اگر کسی دوسرے محلے یا بستی میں کوئی مصیبت یا آفت آجائے تو ان کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

زکوۃ کی ادائگی انسان کو دنیا میں متوازن زندگی گزارنے کا اصول دیتی ہے۔ لیکن جو لوگ اس فرض کو انجام نہیں دیتے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب کی وعید سنائی ہے۔ جو لوگ اپنا مال خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں وہ یہ نہ خیال کریں کہ ان کا یہ بخل ان کے حق میں بہتر ہوگا بلکہ وہ بدتر ثابت ہوگا۔ ان کا یہ مال قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق بن جائے گا۔ یعنی ان کے لیے سخت تباہی کا باعث ہوگا۔

زکوۃ کی ادائگی انسان کے لیے آخرت کی نعمتوں کے حصول اور عذاب جہنم سے نجات کا ذریعہ ہے۔ جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہوسکتی۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم زکوۃ کی ادائگی کے علاوہ نفلی صدقات اور قرضِ حسنہ کے ذریعے بھی ضرورت مندوں کی زیادہ سے زیادہ مدد کریں۔

مشق

۱۔ زکوۃ کن لوگوں پر فرض ہے؟

۲۔ زکوۃ کی ادائگی میں کن باتوں کا خیال کرنا چاہیے؟

۳۔ زکوۃ ادا نہ کرنے والوں کا انجام کیا ہوگا؟



باب سوم

اُسوہ حَسَنہ

فَتحِ خَیبر

عرب میں یہودیوں کی طاقت کا سب سے بڑا مرکز خیبر تھا۔ یہ شہر مدینے کے شمال میں تقریباً تین سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہودیوں نے اول روز ہی سے اسلام دشمنی سے کام لیا اور مسلمانوں کو جانی و مالی نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

یہودیوں کے ایک قبیلے بَنُو قَینُقَاع نے بے گناہ مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگے۔ اس جُرم کی سزا میں رسول اللہ ﷺ نے انھیں ان کے گھروں سے بے دخل کردیا۔ ایک اور یہودی قبیلے بَنُو نَضِیر نے رسول اکرم ﷺ کے قتل کی خفیہ سازش کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ اس جرم کی پاداش میں انھیں جلاوطن کردیا گیا اور وہ خیبر میں آبسے۔ غزوہ اَحزَاب کے موقعے پر بَنُو قُرَیظَہ کی اسلام دشمنی اور بد عہدی نے حالات کو بہت سنگین بنادیا تھا۔ خیبر کے قریب ایک عرب قبیلہ غَطَفَان بھی آباد تھا۔ وہ ان یہودیوں کا پشت پناہ اور اسلام دشمنی میں ان کا حلیف تھا۔ غزوۂ اَحزاب میں مدینہ پر حملہ آوروں میں یہ قبیلہ بھی شریک تھا۔ دین کے یہ سب دشمن خیبر میں جمع ہوگئے تھے۔ وہاں ان کے پاس سامانِ جنگ بھی تھا اور مضبوط قلعہ بھی۔

خیبر میں رہنے والے یہودی اور دیگر اسلام دشمن لوگ مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے اور مدینے پر حملے کی تیاریوں میں لگے رہے۔ سن ٦ ھ کے آخر میں خیبر میں ایک بڑا لشکر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ رسول اکرم ﷺ بھی ان حالات سے بے خبر نہ تھے۔ آپ محرم سن ٧ ھ میں قریباً چودہ سو مسلمانوں کو ساتھ لے کر مقابلے کے لیے خیبر کی طرف بڑھے۔ قبیلۂ غَطَفَان تو اپنے گھر کو خطرے میں گھرا دیکھ کر تیاری کے باوجود واپس لوٹ گیا اور خیبر کے یہودیوں کی مدد کے لیے مزید آگے نہ بڑھا۔

رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مسلمانوں کا لشکر جوشِ جہاد اور شوقِ شہادت میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس عظیم الشّان لشکر کو دیکھ کر راستے میں رہنے والے کافروں اور مشرکوں پر خوف طاری ہورہا تھا۔ اس سفر میں رات کے

وقت حضرت عامرؓ، جو اچھے شاعر تھے، حدی خوانی کرتے ہوئے مجاہدین کے ایمان کے لیے تازگی کا سامان مہیا کر رہے تھے۔ چند اشعار کا ترجمہ یوں ہے:

"اے اللہ اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ صدقہ کرتے نہ نماز پڑھتے۔ ہم تجھ پر قربان، تو ہمیں بخش دے جب تک ہم تقویٰ اختیار کریں اور ہم اگر ٹکرائیں (جنگ کریں) تو ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہم کو اطمینانِ قلب عطا فرما۔ ہمیں جب للکارا جاتا ہے تو ہم اکڑ جاتے ہیں اور للکار میں ہم پر لوگوں نے اعتماد کیا ہے۔"

اس حدی خوان کے لیے نبی کریم ﷺ نے اللہ کے حضور رحم و کرم کی دعا فرمائی۔

اس رات اہل خیبر بے خبری کی نیند سو رہے تھے کہ مسلمان لشکر خیبر کے دروازوں پر تھا۔ رسول اکرم ﷺ کا طریقۂ جنگ یہ تھا کہ رات کو حملہ نہ کرتے۔ مسلمانوں نے آپ ﷺ کی امامت میں صبح سویرے نمازِ فجر ادا کی اور شہر کی طرف بڑھے۔ اہل خیبر اپنی کھیتی باڑی کے لیے نکل رہے تھے۔ لشکرِ اسلام کو اچانک اپنے سروں پر دیکھ کر شہر کی طرف یہ کہتے ہوئے دوڑے کہ خدا کی قسم محمد ﷺ مجاہدین کے ساتھ آ پہنچے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے خیبر والوں کی بدحواسی اور خوف کا یہ منظر دیکھ کر فرمایا:

"اللہ اکبر، خیبر تباہ ہوا، اللہ اکبر، خیبر تباہ ہوا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اتر پڑتے ہیں تو ان دہشت زدہ لوگوں کی صبح بخیر نہیں ہوتی۔"

حملے کا آغاز کرنے سے پہلے آپ نے رب کائنات کے حضور یہ دعا فرمائی:

"اے اللہ! ساتوں آسمانوں اور جن پر وہ سایہ فگن ہیں، ان کے پروردگار ہم تجھ سے اس بستی کی بھلائی اور اس کے باشندوں کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں۔ اس بستی کے شر سے، اس کے باشندوں کے شر سے اور اس میں جو کچھ ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔"

پھر فرمایا "اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔"

یہودیوں کے آٹھ قلعے تھے۔ انھوں نے سامان رسد قلعۂ ناعم میں جمع کر رکھا تھا۔ مسلمانوں نے سب سے پہلے ناعم پر حملہ کیا اور اسے آسانی سے فتح کر لیا۔ اس کے بعد چھوٹے بڑے قلعے فتح ہوتے چلے گئے۔

یہودیوں کا سب سے اہم قلعہ قَموص تھا۔ مَرحب، جسے اپنی بہادری پر بڑا ناز تھا، یہیں پر تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ یکے بعد دیگرے اس قلعے پر حملہ آور ہوئے، مگر یہ مہم سر نہ ہو سکی۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کو طلب فرمایا۔ ان کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں

میں اپنا لُعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ وہ شفایاب ہو گئے گویا انھیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے انھیں پرچم عطا فرمایا۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا "میں ان سے اس وقت تک لڑوں کہ وہ ہمارے جیسے ہو جائیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا۔ "سکون سے جاؤ اور ان کے میدان میں اترو۔ پہلے ان کو دین اسلام کی دعوت دو۔ پھر ان کو اللہ کے حُقوق سے آگاہ کرو۔ اللہ کی قسم تمھارے ذریعے اللہ تعالیٰ اگر ایک انسان کو بھی ہدایت بخش دے تو یہ تمھارے لیے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔"

حضرت علیؓ قلعے کے سامنے پہنچے۔ رسول اکرم ﷺ کی ہدایت اور اسلام کے قاعدے کے مطابق سب سے پہلے یہودیوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ مگر انھوں نے اس دعوت کو ٹھکرا دیا اور اپنے سردار مُرحَب کی قیادت میں مجاہدین کے مدمقابل آ گئے۔ مَرحَب اپنی تلوار لہراتا ہوا فخر و غرور کے ساتھ یہ شعر پڑھتے ہوئے آگے بڑھا:

ترجمہ: "خیبر کو معلوم ہے میں مرحب ہوں۔ ہتھیار بند، بہادر اور تجربہ کار جب معرکہ کارزار گرم ہو۔"

صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عامرؓ سامنے آئے اور للکارتے ہوئے بولے:

ترجمہ: "خیبر جانتا ہے میں عامر ہوں۔ ہتھیار بند شہ زور اور جنگجو۔"

دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیے مگر عامرؓ شدید زخمی ہوئے اور بعد میں شہادت ان کا مقدر بنی۔ حضرت عامرؓ کے زخمی ہونے پر حضرت علیؓ مَرحَب کے مقابلے پر یہ رجزیہ شعر پڑھتے ہوئے آگے بڑھے:

ترجمہ: "میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔ جنگل کے شیر کی طرح خوفناک۔ میں صاع کے بدلے نیزے کی ناپ پوری کروں گا۔"

اس کے بعد حضرت علیؓ نے مَرحَب کے سر پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ خاک و خون میں گر کر تڑپنے لگا۔ مرحب کے قتل ہوتے ہی یہودیوں کے حوصلے ٹوٹ گئے اور ان کی ہمت جواب دے گئی۔ قَموص کا قلعہ فتح ہو گیا۔ اس معرکے میں ترانوے یہودی جہنم رسید ہوئے اور بیس مسلمان شہادت سے سرفراز ہوئے۔

یہودیوں کی کمر اس معرکے میں ٹوٹ چکی تھی مگر اس کے بعد بھی وہ مختلف قلعوں میں پناہ لے کر مسلمانوں کے مقابلے کی کوشش کرتے رہے۔ مسلمانوں نے کہیں بھی یہودیوں کے قدم جمنے نہ دیے۔ رسول اکرم ﷺ نے کتیبہ کے علاقے کا محاصرہ فرمایا۔ چودہ روز کے محاصرے کے بعد دشمن بے بس ہو گیا۔ پھر اس بات پر معاہدہ ہوا کہ یہ لوگ اپنے باغات، زمینیں اور مال چھوڑ کر مختصر سامان کے ساتھ اپنے بال بچوں کو لے کر خیبر سے نکل جائیں۔ بالآخر یہودیوں نے پورے طور پر مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور کچھ قلعے جنگ کیے بغیر فتح ہو گئے۔

مسلمانوں کو غزوۂ خیبر میں بہت زیادہ مال غنیمت ہاتھ لگا۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔ ہم لوگ آسودہ نہ ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ ہم نے خیبر فتح کیا۔ فتح کے بعد یہودیوں نے رسول اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ ہمیں اسی سرزمین میں رہنے دیجیے۔ ہم زمین، باغات اور کھیتوں کی دیکھ بھال کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کی اس بات کو منظور فرمایا اور طے کردیا کہ کھیتوں اور پھلوں کی آدھی پیداوار یہودیوں کو دی جائے گی۔ جب بٹائی کا وقت آتا تو رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہؓ بن رواحہؓ کو بھیجتے۔ وہ غلے کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرکے کہتے جو حصہ چاہیے لے لو۔ یہودیوں پر اس کا یہ اثر ہوا کہ وہ اعتراف کرتے اور کہتے: "زمین اور آسمان ایسے ہی عدل پر قائم ہیں۔"

مشق

۱۔ مدینہ سے خیبر کا فاصلہ تقریباً کتنا ہے؟

۲۔ یہودیوں کے مشہور قبیلوں کے نام بتائیں۔

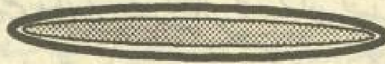
۳۔ رسول اکرم ﷺ نے خیبر پر حملہ کیوں کیا؟

۴۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کی بدحواسی دیکھ کر کیا ارشاد فرمایا؟

۵۔ خیبر پر حملہ آور ہوتے وقت آپ ﷺ نے کیا دعا فرمائی؟

۶۔ حضرت علیؓ نے جس قلعے کو فتح کیا اس کا نام کیا تھا؟

۷۔ حضرت علیؓ نے مرحب کے مقابلے پر آتے وقت کیا رجزیہ شعر پڑھ رہے تھے؟



فرماں رواؤں کو دعوتِ اسلام

صُلح حدیبیہ کے بعد حالات بہتر اور پرسکون ہو چکے تھے۔ اب موقع تھا کہ رسول اکرم ﷺ سَلاطِین اور اُمَراء کو اللہ کا پیغام پہنچائیں۔ آپ ﷺ نے نجاشی شاہ حبشہ، مُقَوقَس شاہ مصر، خسرو پرویز شاہ فارس، قیصر شاہ روم، مُنذر بن ساوِی حاکم بحرین، ہوذہ بن علی حاکم یمامہ، حارث بن ابی شمر حاکمِ غسّان، جیفر شاہ عمان کے نام خطوط لکھے اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اپنا سفیر بنایا۔ ان تبلیغی خطوط کا طرز تحریر یہ تھا کہ خط اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع ہوتا۔ اللہ کے رسول ﷺ کا نام اور اس کے بعد مکتوب الیہ کا نام لکھا جاتا۔ خط کی عبارت سادہ، آسان اور مختصر ہوتی۔

آپ نے ہوذہ بن علی کو لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی طرف سے ہوذہ بن علی کے نام

"اس شخص پر سلام جو راہ ہدایت کی پیروی کرے۔ تمھیں خبر ہونی چاہیے کہ میرا دین اونٹوں اور گھوڑوں کی رسائی کی آخری حد تک غالب آکر رہے گا۔ لہٰذا اسلام قبول کرلو، سلامت رہوگے اور تمھارے ماتحت جو کچھ ہے اسے برقرار رکھوں گا۔"

حاکمِ یَمامہ نے قاصد کا احترام و اکرام کیا اور رسول اکرم ﷺ کو ہدیے بھیجے، لیکن دین اسلام کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔

حاکمِ دمشق حارث غسانی کو لکھے گئے خط کی عبارت یوں ہے:

"اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے، ایمان لائے اور تصدیق کرے۔ میں تمھیں اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں تمھارے لیے تمھاری بادشاہت باقی رہے گی۔" مگر ہدایت کی روشنی اس کا بھی مقدر نہ بن سکی۔

جیفر شاہ عمان اور اس کے بھائی نے دین اسلام قبول کیا اور اللہ کے نبی کی تصدیق کی۔ منذر بن ساوی حاکمِ بحرین نے رسول اکرم ﷺ کے خط کا جواب یوں دیا: "اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کا خط اہل بحرین کو پڑھ کر

سنادیا کچھ لوگوں نے اسلام کو محبت اور احترام کی نظر سے دیکھا اور اس پاکیزہ دعوت کو قبول کرلیا اور بعض نے انکار کردیا۔"

آپ ﷺ نے شاہ ایران کو لکھا:

"اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ وحدہٗ لاشریک ہے، محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تمھیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ کیونکہ میں تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ تاکہ جو شخص زندہ ہے اس کو برے انجام سے ڈرایا جائے۔ اور کافروں پر حق بات ثابت ہوجائے۔ پس تم اسلام لاؤ سلامت رہوگے۔ اگر تم نے انکار کیا تو مجوسیوں (تمھاری رعایا) کے گناہ کا بوجھ بھی تم پر ہوگا۔"

عبداللہ بن حُذافہؓ نے شاہ ایران کسریٰ کو یہ خط پہنچایا۔ کسریٰ کو خط پڑھ کر سنایا گیا۔ اس نے نہایت غُرور سے کہا: "میری رعایا میں میرا حقیر غلام اپنا نام مجھ سے پہلے لکھتا ہے۔" پھر اس نے نامہ مبارک کو چاک کردیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا "اللہ اس کی مملکت کو پارہ پارہ کرے۔" پھر وہی ہوا جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ کسریٰ کے بیٹے شیرویہ نے اپنے باپ کو قتل کردیا۔ خلیفہ ثانی امیر المومنین حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایران فتح ہوا اور سرزمین ایران پر دین اسلام کی روشنی پھیل گئی۔ حضرت حَاطِب بِنْ اَبِی بَلْتَعَہ رسول اکرم ﷺ کا خط لے کر مُقَوقَس شاہ مصر کی طرف گئے۔ آپ ﷺ نے لکھا:

"سلام اس پر جو راہ حق پر چلے! میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ دین اسلام قبول کرلو سلامت رہوگے۔ اللہ تمھیں دوہرا اجر دے گا۔ لیکن اگر تم نے روگردانی کی تو قبطیوں کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔" خط میں قبطیوں کو دعوت دیتے ہوئے اس آیت کو لکھا۔ "ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ ہم اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو ربّ نہ بنائیں پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔"

مقوقس نے رسول اللہ ﷺ کے خط کو توجہ اور احترام سے سنا۔ آپ کے سفیر کا احترام کیا۔ آپ کی خدمت میں قیمتی تُحفے بھیجے۔ لیکن یہ شخص دینِ اسلام سے محروم رہا۔

شاہ حبش کی طرف رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہؓ الضمری کو بھیجا۔ انھوں نے ہادیٔ برحق ﷺ کا خط نجاشی کے حوالے کیا تو نجاشی نے یہ نامۂ مبارک لے کر اپنی آنکھوں پر رکھا اور تخت سے زمین پر اتر آیا اور دین اسلام قبول کرلیا۔

پھر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں یہ خط لکھا:

"اے اللہ کے نبی! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ مجھے آپ کا گرامی نامہ ملا۔ جس میں آپ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔ زمین و آسمان کے رب کی قسم! آپ نے جو کچھ لکھا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے ایک تنکا بڑھ کر نہ تھے۔ وہ ویسے ہی ہیں جیسے آپ نے ذکر فرمایا ہے۔ آپ نے جو کچھ ہماری طرف بھیجا ہے ہم نے اس کو سمجھ لیا اور آپ کے ساتھیوں کی مہمان نوازی کی۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ میں آپ کے چچیرے بھائی (جعفرؓ بن ابی طالب) کے ہاتھ پر آپ سے بیعت کرتا ہوں اور انھی کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لیے اسلام قبول کرتا ہوں۔"

قیصرِ روم کو خط پہنچانے کے لیے حضرت دِحیہؓ بن خَلیفہ کلبی کا انتخاب ہوا۔ حضرت دحیہؓ نے یہ نامۂ مبارک بصریٰ کے حاکم کو پہنچایا اور اس نے قیصر روم تک پہنچانے کا اہتمام کیا۔ قیصر روم نے خط پاکر حکم دیا کہ اگر آپ ﷺ کا کوئی باشندہ مل جائے تو اسے لایا جائے۔ ان دنوں ابوسفیان تجارت کے سلسلے میں شام کے شہر غزہ میں موجود تھا۔ اس کو اور کچھ دیگر عرب شہریوں کو قیصر کے دربار میں پیش کیا گیا۔ قیصر نے اس سے اسلام کی تعلیمات، رسول اکرم ﷺ کے حسب و نسب، سیرت و اخلاق اور آپ ﷺ کے پیروکاروں کے بارے میں کچھ سوالات کیے۔ ابوسفیان مجلس میں اپنے قریب ہی دیگر عرب باشندوں کی موجودگی کی وجہ سے اپنی اسلام دشمنی کے باوجود کوئی غلط بیانی نہ کرسکا۔ اور اس نے سارے سوالات کے درست جوابات دیے۔ یہ جوابات سن کر قیصر کو اللہ کے رسول کی سچائی کا یقین ہوگیا۔ اس نے ابوسفیان سے کہا "اگر تمھارے جوابات صحیح ہیں تو وہ وقت آنے والا ہے کہ جب میرے پایۂ تخت تک ان کا قبضہ ہوجائے گا۔ مجھے معلوم تھا کہ ایک رسول آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ ان کا ظہور عرب میں ہوگا۔ "قیصر نے اللہ کے نبی ﷺ کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا "اگر میں وہاں جاسکتا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔" قیصر کے ان خیالات کو سن کر اس کے درباری بڑے برہم ہوئے۔ ان لوگوں نے دین اسلام کی دعوت سے بیزاری کا اظہار کردیا۔ قیصر دل سے دین حق کی سچائی کا اعتراف کرچکا تھا۔ لیکن اقتدار سے محرومی کے خوف نے اسے اسلام قبول کرنے اور دونوں جہانوں کی بھلائی سے محروم رکھا۔

مشق

۱۔ رسول اکرم ﷺ نے سلاطین اور اُمَرَاء کو دین اسلام کی دعوت کس طریقے سے دی؟

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے کن کن فرماں رواؤں کو خطوط لکھے؟

۳۔ رسول اللہ ﷺ کے تبلیغی خطوط کا طرز تحریر کیا تھا؟

۴۔ آپ کا خط پاکر کون کون حکمران مسلمان ہو گئے؟

۵۔ وہ کون سے بد نصیب حکمران تھے جو دین اسلام کی نعمت سے محروم رہے؟

۶۔ رسول اللہ ﷺ کے نامہ مبارک کو کس نے پھاڑا اور اس شخص کا انجام کیا ہوا؟

۷۔ قیصر روم پر رسول اللہ ﷺ کے خط کا کیا اثر ہوا؟

۸۔ رسول اللہ ﷺ کا خط پاکر نجاشی نے کیا کیا اور آپ ﷺ کے خط کا کیا جواب دیا؟

۹۔ اپنے کسی غیر مسلم دوست کو ایک خط لکھیں، جس میں اسے اسلام کا پیغام پہنچائیں۔



غزوۂ تبوک، مسلمانوں کی بے مثال قربانیاں

رسول اکرم ﷺ کی قیادت میں تبلیغ دین اور جہاد کی مہمات جاری تھیں۔ ہر طرف اسلام کی روشنی پھیل رہی تھی۔ فتح مکہ اور غزوہ حُنَین کے بعد لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہو رہے تھے۔ جزیرۃ العرب میں دین حق کا یہ غلبہ دیکھ کر قرب وجوار کی عیسائی آبادیاں پریشان تھیں۔

پس منظر

غزوہ مُوتہ میں مسلمانوں کی بے مثال بہادری اور جنگی حکمت عملی نے رومیوں کو خوفزدہ کردیا تھا۔ وہ شب و روز مسلمانوں کی طاقت سے پریشان رہنے لگے تھے۔ غزوۂ موتہ میں دو لاکھ عیسائی فوج، تین ہزار مسلمانوں کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکی تھی۔ ہرقل قیصر روم نے مسلمان کی اس ابھرتی ہوئی قوت کو ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا اور شام کی عیسائی آبادی کو خاص طور پر اس مہم پر لگایا۔ ہرقل نے چالیس ہزار کا ایک لشکر اسی مقصد کے لیے روم سے بھی روانہ کیا۔ جس میں ارد گرد کے عیسائی قبائل بھی موجود تھے۔

شام کی طرف سے آنے والے ایک قبطی تجارتی قافلے نے مسلمانوں کو خبر دی کہ مدینے کی اسلامی ریاست پر حملہ آور ہونے کے لیے شام میں ایک بڑی فوج جمع کی جارہی ہے۔ اس حملے کی توقّع تو تھی ہی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو جہاد کی تیاری کا حکم دے دیا۔

مشکل حالات

مسلمانوں کے لیے یہ زمانہ سخت آزمائش کا تھا۔ اس سے پہلے سال فصل بہت کم ہوئی تھی۔ قحط نے سب کچھ تباہ کردیا تھا۔ اب جب جہاد کا حکم ہوا تو فصل بالکل تیار اور پکی ہوئی تھی۔ موسم بے انتہا گرم تھا۔ مسافت کی دوری اور راستے کی دشواری پریشان کن تھی۔ سواریوں اور رسد کی بھی شدید کمی تھی۔ رومیوں کے حملہ آور ہونے کی خبروں سے مدینے کے منافقین اس خوش فہمی میں تھے کہ مسلمان شکست کھائیں تو وہ مدینے میں اسلام کے خلاف عَلَمِ بَغاوت بلند کردیں۔

یہودی یہ کہہ رہے تھے کہ مسلمانوں کی یہ جنگ عرب سے نہیں بلکہ دنیا کی ایک بڑی طاقت سے ہے۔ وہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کرکے رکھ دیں گے۔ ان حالات میں اللہ کے رسول ﷺ نے اعلان جہاد فرمایا۔ صحابۂ کرامؓ کو

بتادیا کہ شام جانا ہے اور مقابلہ قیصر روم سے ہے۔ رسول اکرم ﷺ اگر یہ اِقدام نہ فرماتے تو اسے اسلام اور مسلمانوں کی کمزوری سمجھا جاتا۔

منافقین نے مسلمانوں کو جنگ سے روکا۔ ان کو بددل کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ناکام ونامراد فرمادیا۔

جہاد کی تیاری

نبی کریم ﷺ نے جہاد کی تیاری کے لیے مالی اِعانت کا مطالبہ فرمایا۔ ہر مسلمان نے اپنی ہمت اور توفیق کے مطابق اس مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے تمام مال کا نصف حصہ لاکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا۔ حضرتِ صدیق اکبرؓ نے اپنی ساری پونجی جہاد فی سبیل اللہ کی نذر کردی۔ حضرت ابو عقیلؓ انصاری دن بھر کی مزدوری لے کر چلے آئے۔ خواتین اسلام نے اپنے زیور حاضر کردیے۔ دین وملت کے ہزاروں سرفروش اس راہ میں اپنے خون کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے مجاہدین اسلام کی صفوں میں شامل ہوگئے۔ کچھ ایسے بھی تھے جن کے پاس سواری تھی نہ سامان سفر۔ وہ اپنی محرومی پر روتے چلے جارہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی دلجوئی فرمائی۔ قرآن مجید بھی ان کے اخلاص کی گواہی دیتا ہے۔ ان کے درد اور کرب کو بیان کرتا ہے۔

واقعات

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو مدینے کی حفاظت ونگرانی کے لیے امیر مقرر فرمایا۔ انھوں نے شکایت کی کہ آپ ﷺ مجھ کو عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "تم اس بات پر راضی نہیں کہ تمھیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔ البتہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔"

رجب سن ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ تیس ہزار مجاہدین کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جن میں دس ہزار سوار شامل تھے۔ سواریوں کی کمی کی وجہ سے ایک اونٹ پر باری باری بہت سارے لوگ سوار ہوتے۔ اکثر پیدل چلتے رہتے۔ سیکڑوں کلومیٹر کا یہ دشوار سفر صحابہ کرامؓ نے بڑی مشکلات کے ساتھ طے کیا۔

تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ سرحد پر کوئی دشمن مسلمانوں کا سامنا کرنے کے لیے موجود نہیں ہے۔ دراصل ہرقل نے فوجیں ابھی جمع کرنا شروع کی ہی تھیں کہ حملے کی تیاری مکمل ہونے سے پہلے ہزاروں مسلمان مجاہدین اللہ کے رسول ﷺ کی قیادت میں رومی سرحدوں پر آپہنچے۔ مسلمانوں نے پانچ سو میل کا فاصلہ طے کیا تھا۔ لشکر اسلام کے اس اِقدام نے ہرقل کو مرعوب کردیا اور لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ دور و نزدیک دین کے دشمنوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ ایلہ کے رئیس یوحنا نے رسول ﷺ سے خود صلح کی درخواست کی اور جزیہ دینا قبول کیا۔ اس نے ایک سفید خچر آپ کی نذر کیا۔ آپ ﷺ نے اپنی چادر مبارک اس کو عطا فرمائی۔

دومتہ الجندل کے حاکم اُکَیدرِ کو خالد بن ولیدؓ گرفتار کرلائے تھے۔ اُس نے اطاعت کا وعدہ کیا۔ بعد میں مدینہ منورہ حاضر ہو کر صلح نامہ لکھا۔ بعض اور عیسائی سردار بھی بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور جزیہ دینا قبول کیا۔ یہ دیکھ کر شامیوں اور رومیوں کے حوصلے پست ہوگئے۔ یہ مسلمانوں کی اخلاقی فتح تھی۔ جزیرۂ عرب کے اندر اور باہر مسلمانوں کی فوجی ساکھ پر نہایت خوشگوار اثرات مرتب ہوئے۔

اس سفر میں پچاس روز صرف ہوئے۔ بیس روز تبوک میں قیام رہا اور تیس دن آمدورفت میں لگے۔ ادھر مدینے میں رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خبر پہنچی تو عورتیں، بچیاں اور بچے خوشی کے عالم میں باہر نکل پڑے اور لشکر اسلام کا زبردست استقبال کیا۔ خوشی سے وہ یہ گیت گارہے تھے:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ

وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَادَعٰی لِلّٰہِ دَاعٍ

"ہم پر ثنیات الوداع سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے۔ جب تک پکارنے والا اللہ کو پکارے، ہم پر شکر واجب ہے۔"

مشق

۱۔ رومیوں اور شامیوں کے مدینے پر حملے کی تیاریوں کی خبر کس نے دی؟

۲۔ رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو جہاد کا حکم فرمایا ان دنوں ان کے حالات کیسے تھے؟

۳۔ جنگ کی صورت میں یہودی اور منافقین کس خوش فہمی میں مبتلا تھے؟

۴۔ غزوہ تبوک کے موقع پر مسلمانوں کی مالی قربانیوں کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

۵۔ صحابہ کرامؓ میں سے کون آدھا اور کون گھر کا پورا سامان لے کر آئے تھے؟

۶۔ لشکر اسلام کی تعداد کیا تھی؟

۷۔ ہجرت کے کس سال رسول اللہ ﷺ نے تبوک کی طرف لشکر کشی فرمائی؟

۸۔ مجاہدین اسلام کی اس چڑھائی سے رومیوں اور دیگر اسلام دشمنوں پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟

۹۔ رسول اللہ ﷺ نے تبوک میں کتنے دن قیام فرمایا؟

۱۰۔ رسول اللہ ﷺ مدینے کے قریب پہنچے تو خوشی سے استقبال کرنے والے بچوں اور بچیوں نے کیا گیت گایا تھا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گھریلو زندگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کے شب و روز کھلی کتاب کی مانند ہیں۔ گھر ہو یا بازار، خوشی ہو یا غمی، خوش حالی ہو یا تنگ دستی، ہر حال میں آپ کا اُسوۂ حسنہ لائق تقلید ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمودات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اخلاق و کردار کا پتہ اس کے اس عمل سے چلتا ہے جو وہ اپنے گھر والوں سے روا رکھتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہے اور میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہوں۔"

ایک اور موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ "مؤمنین میں سے زیادہ کامل وہ ہے جو اخلاق میں سب سے بہتر اور گھر والوں کے ساتھ سب سے زیادہ مہربان ہو۔"

اہلِ خانہ سے سلوک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے گھر والوں کے ساتھ حُسنِ سلوک فرماتے، ان کی دلجوئی کرتے، ان کی باتیں سنتے، ان کے اختلافات ختم کراتے۔ نہ بیزار ہوتے نہ اکتاتے۔ گھر میں شگفتہ گفتگو فرماتے۔ کبھی غضب ناک یا برہم نہ ہوتے۔ صبر و تحمل سے کام لیتے۔ اکثر چہرہ مبارک پر تبسُّم رہتا۔ دنیوی آرائش کے ساز و سامان سے منع فرماتے۔ فرمایا کرتے تھے: "اگر تمھیں اس کی تمنا ہے کہ یہ چیزیں جنت میں ملیں تو دنیا میں ان کے استعمال سے گریز کرو۔"

بچوں سے پیار

بچوں کی پرورش اور ان سے محبت و شفقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب سے اچھی مثال ہیں۔ آل و اولاد پر شفقت و مہربانی تقویٰ، بزرگی اور نبوت کے عین مطابق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی تمام بیٹیوں سے محبت رکھتے تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سب سے چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہؓ سے بہت پیار تھا۔ حضرت فاطمہؓ آپ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کھڑے ہو جاتے۔ ان کی پیشانی چومتے اور انھیں اپنی جگہ بٹھاتے۔ بچوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس قدر پیار تھا کہ فرمایا کرتے۔ "یہ بچے تو اللہ کے باغ کے پھول ہیں۔" آپ بچوں کے ساتھ ہنسی مزاح بھی فرماتے اور ان کی دوڑ بھی لگواتے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ میں نے کسی کو آل اولاد پر مہربان نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے، تو آپ ﷺ ان کو دیکھتے جاتے اور پیار کرتے جاتے۔ حضرت ابراہیم کے دودھ پینے کا انتظام مدینہ کے بالائی حصے میں تھا۔ آپ ﷺ وہاں تشریف لے جاتے۔ ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہوتے۔ گھر میں دھواں بھرا ہوتا تھا، مگر آپ ﷺ اندر تشریف لے جاتے۔ اپنے پیارے بیٹے حضرت ابراہیم کو گود میں لیتے اور ان کو بوسہ دیتے۔ حضرت ابراہیم کا جب بچپن ہی میں انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہم تیرے لیے رنجیدہ ہیں۔ آنکھوں میں آنسو بھرے ہیں۔ دل غم سے لبریز ہے مگر ہم ایسی بات زبان سے نہیں نکالتے جو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہو۔"

گھر کے معمولات

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کسی نے دریافت کیا: رسول اکرم ﷺ اپنے گھر میں کیسے تھے؟ انھوں نے فرمایا:

"آپ ﷺ انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ اپنے کپڑوں کی دیکھ بھال خود ہی کرلیتے۔ بکری کا دودھ خود دوہتے۔ اپنی ضرورتیں خود ہی پوری کرلیتے۔ اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگالیتے۔ اپنے جوتے کی مرمت کرلیتے۔ اپنے ڈول کو ٹانکے لگالیتے۔ بوجھ اٹھاتے۔ جانوروں کو چارا ڈالتے۔ کوئی خادم ہوتا تو اس کے ساتھ مل کر کام کرادیتے۔ آٹا وغیرہ پسوادیتے۔ کبھی اکیلے ہی مشقت کرلیتے۔ بازار جانے میں عار محسوس نہ کرتے۔ خود ہی سودا سلف لاتے اور ضرورت کی چیزیں ایک کپڑے میں باندھ کر اٹھالیتے۔"

رسول اکرم ﷺ گھر میں آرام بھی فرماتے، اہل خانہ پر توجہ بھی دیتے اور اللہ کی عبادت میں بھی مصروف ہوتے۔ عمر بھر رسول اللہ ﷺ کا معمول رہا کہ رات کے دوسرے نصف حصے کے شروع میں بیدار ہو کر مسواک اور وضو کے بعد تہجد ادا فرماتے۔ قرآن شریف کی تلاوت ٹھہر ٹھہر کر کرتے۔

نبی کریم ﷺ کا گھر مسجد کے ساتھ تھا، جس میں اَزْواجِ مُطَہَّرات کے لیے چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ گھر کا سامان بہت مختصر تھا۔ سادہ قسم کے چند برتن تھے۔ لکڑی کا ایک پیالہ تھا۔ چمڑے کے گدے کا بستر تھا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی۔ کھانا پینا بھی بہت سادہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: "میری مثال اس مسافر کی سی ہے جو کسی درخت کے سائے میں تھوڑی دیر آرام کرے اور پھر اسے چھوڑ کر اپنی راہ لے۔"

حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا اور اس کا سازوسامان باقی رہنے والا نہیں ہے۔ عقل مند وہ ہے جو اس عارضی گھر کے لیے اتنا ہی لے، جتنا ایک مسافر کی ضرورت ہے۔ آخرت کی زندگی اور اس کا سامان دائمی ہے۔ مسلمان کا اصلی گھر جنت ہے۔ اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ آخرت کی فکر کی جائے اور جنت کے لیے توشہ فراہم کیا جائے۔ ارشاد الٰہی ہے:-

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی

"اور زادراہ مہیا کرو۔ بہترین زادراہ پرہیزگاری ہے۔"

مشق

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے کس شخص کو بہتر قرار دیا؟

۲۔ رسول اللہ ﷺ بچوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے؟

۳۔ بچوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا؟

۴۔ اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کی وفات پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے غم کا اظہار کیسے فرمایا؟

۵۔ جب کسی نے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں کیسے تھے؟ اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ نے کیا جواب دیا؟

۶۔ رسول اللہ ﷺ کا گھر کیسا تھا؟

۷۔ قرآن مجید میں بہترین زادراہ کس چیز کو قرار دیا گیا ہے؟

۸۔ خالی جگہ پُر کریں:-

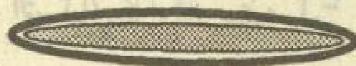
(الف) ہر حال میں .... کا اسوۂ حسنہ لائق تقلید ہے۔

(ب) تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہے، جو اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے زیادہ .... ہو۔

(ج) یہ بچے تو اللہ کے باغ کے .... ہیں۔

(د) رسول اللہ ﷺ اپنے کپڑوں کو خود .... لگالیتے۔

(ہ) میری مثال اس مسافر کی سی ہے، جو کسی درخت کے .... میں تھوڑی دیر آرام کرے اور پھر اسے چھوڑ کر اپنی راہ لے۔



باب چہارم

اَخلاق و آداب

فُضول خرچی اور بُخل سے پرہیز

دولت اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ ہر جاندار کو رزق دینے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے قبول کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو رزق کی تلاش کے لیے جسمانی طاقت، صحت و تندرستی اور بے شمار مادی وَسائل عطا کیے اور حکم دیا کہ وہ دیانت داری سے محنت کرتے ہوئے اللہ کے دیے ہوئے وسائل سے رزق حاصل کریں۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ دولت کو اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق خرچ کرے۔

خرچ کرنے کے بارے میں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ انسان اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال کی جائز ضروریات مناسب طریقے سے پوری کرے۔ غریب رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر اپنا مال خرچ کرے۔ اپنی دولت سے ان محروم لوگوں کا حق ادا کرے، جو اپنی بنیادی ضروریات بھی پوری کرنے کے قابل نہیں۔ یہ لوگ شرم کے مارے دوسروں سے سوال بھی نہیں کرتے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"تم انھیں ان کی نشانی سے پہچان لوگے، وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ (البقرہ: ۲۷۳)

عقل مند آدمی دولت ہمیشہ سوچ سمجھ کر خرچ کرتا ہے۔ اپنی ضروریات پوری کرتے وقت حد سے بڑھ جانا اِسراف یا فُضول خرچی کہلاتا ہے۔ اِسراف کے معنی یہ ہیں کہ انسان نمود و نمائش کی خاطر یا دوسروں سے آگے نکلنے کی دوڑ میں اپنی جائز ضروریات یعنی خوراک، لباس، رہائش وغیرہ پوری کرنے میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (الاعراف: ۳۱) ترجمہ: "بیشک وہ اِسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

بعض لوگ اپنی دولت ایسے کاموں پر خرچ کرتے ہیں جن کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ مثلاً شادی بیاہ اور سالگرہ کے موقع پر کی جانے والی فضول رسموں یا بعض دوسرے موقعوں پر آتش بازی اور فائرنگ پر خرچ کرنا "تَبذِیر" (بے جا خرچ کرنا) ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ

(بنی اسرائیل: ۲۷) ترجمہ: "بے شک بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔"

بعض لوگ اپنی دولت پر سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ یعنی اپنی جائز ضرورتوں پر بھی خرچ نہیں کرتے۔ ایسے لوگ بخیل یا کنجوس کہلاتے ہیں۔ بخل (کنجوسی) سے مراد یہ ہے کہ انسان دولت رکھتے ہوئے بھی نہ تو اپنی جائز ضروریات مثلاً خوراک، لباس، علاج، سفر وغیرہ پر مناسب طریقے سے خرچ کرے اور نہ دوسرے ضرورت مندوں پر خرچ کرے۔ بلکہ دولت جمع کرنے کی دھن میں لگا رہے۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نے سخت ناپسند کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

"جو شخص مال جمع کرتا ہے اور اسے گن گن کر رکھتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ باقی رکھے گا۔ ہرگز نہیں وہ ضرور دوزخ میں ڈالا جائے گا۔" (الھمزہ: ۲ تا ۴)۔

ہمیں چاہیے کہ فضول خرچی اور بے جا خرچ کرنے سے پرہیز کریں۔ بخل سے کام نہ لیں بلکہ میانہ روی اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"اپنا ہاتھ گردن سے باندھ کر نہ رکھو (کنجوسی نہ کرو) اور نہ ہی اسے بالکل کھول دو (بے تحاشا خرچ کرنے لگ جاؤ۔ اگر ایسا کرو گے) تو تم ملامت کا نشانہ بنو گے اور افسوس سے ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔" (بنی اسرائیل: ۲۹)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی پہچان ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:۔

"جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اِسراف کرتے ہیں اور نہ کنجوسی کرتے ہیں۔ بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔" (الفرقان: ۶۷)

ہمارے پیارے نبی ﷺ نے کتنی پیاری بات کہی ہے:۔ "مَاعَالَ مَنِ اقْتَصَدَ" یعنی "وہ شخص محتاج نہیں ہوگا جو میانہ روی اختیار کرے۔"

اگر ہم اعتدال اور میانہ روی کے اس سنہری اصول کو اختیار کرلیں تو ہمارا معاشرہ بے شمار برائیوں اور مشکلات سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔

مشق

۱۔ خرچ کرنے کے بارے میں اسلام کی تعلیم کیا ہے؟

۲۔ بخل سے کیا مراد ہے؟

۳۔ محتاجی سے بچنے کا سنہری اصول بتائیے۔

۴۔ خالی جگہ پُر کریں:۔

(الف) ہمیں اپنی .... میں سے محروم لوگوں کا حق ادا کرنا چاہیے۔

(ب) تم ان (حاجت مندوں) کو ان کی نشانی سے پہچان لوگے، وہ لوگوں سے لپٹ کر .... نہیں کرتے۔

(ج) اپنی ضروریات پوری کرتے وقت حد سے بڑھ جانا .... یا فضول خرچی کہلاتا ہے۔

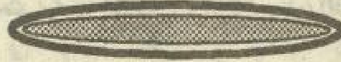
(د) بیشک اللہ اِسراف کرنے والوں کو .... نہیں کرتا۔

(ہ) فضول رسموں پر خرچ کرنا .... کہلاتا ہے۔

(و) .... کرنے والوں کو قرآن میں شیطان کے بھائی قرار دیا گیا ہے۔

(ز) اللہ کے نیک بندے جب خرچ کرتے ہیں تو نہ .... کرتے ہیں اور نہ .... کرتے ہیں بلکہ اِعتدال سے کام لیتے ہیں۔

(ح) وہ شخص .... نہ ہوگا، جو میانہ روی اختیار کرے۔



اَعمال میں مُنافقت سے اِجتناب

منافقت کا مطلب ہے کہ انسان اپنے اصلی کردار اور اپنے دل کی بات کو چھپائے اور ظاہر یہ کرے کہ جیسے وہ ایک بہت اچھا، دیانتدار اور ہمدرد انسان ہے۔ یعنی باطن میں کچھ ہو اور ظاہر میں کچھ اور۔ انسانی اعمال میں مُنافقت مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔اس کی چند صورتیں یہ ہیں:۔

ریاکاری

انسان یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کے متعلق یہ مشہور ہوجائے کہ وہ ایک نیک انسان ہے، تو دوسرے لوگ اس کی عزت بھی کریں گے اور اس پر اعتماد بھی۔ اس طرح اس کے بہت سے کام نکل سکیں گے۔ اس مقصد کے لیے وہ دکھلاوے کی نمازیں پڑھتا ہے۔حج کو جاتا ہے تو جانے سے پہلے اور بعد میں دعوتوں اور تحائف کے تبادے کا ایک لمبا سلسلہ شروع کرلیتا ہے۔ اپنے آپ کو "حاجی صاحب" مشہور کروانے کے لیے کوششیں کرتا ہے۔ اپنی درویشی اور بزرگی کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے۔ حالانکہ اللہ کے نزدیک صرف ایسی نیکی قبول ہوتی ہے، جو خلوص دل سے کی جائے۔ رسول اکرم ﷺ نے ریاکاری کو شِرکِ اَصغر قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "رنج و غم کے کنویں سے اللہ کی پناہ مانگو۔ "پوچھا گیا۔ غم کا کنواں (جُبّ الحزن) کیا ہے؟ فرمایا": جہنم میں ایک وادی ہے جس سے خود جہنم بھی دن میں چارسو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ "عرض کیا گیا:" اللہ کے رسول ﷺ! اس میں کون لوگ جائیں گے؟" فرمایا:" وہ بڑے عبادت گزار اور زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھنے والے، جو یہ اچھے اعمال دوسروں کو دکھانے کے لیے کرتے ہیں۔" اس طرح رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ بعد کے زمانے میں کچھ ایسے مکّار لوگ پیدا ہوں گے، جو دین کی آڑ میں دنیا کا شکار کریں گے۔ لوگوں پر اپنی دین داری کا رعب قائم کرنے کے لیے موٹا جھوٹا لباس پہنیں گے۔ ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی۔ اور دل بھیڑیوں جیسے ظالم! یہ تمام کام بہت نیکی اور اجرو ثواب کے ہیں لیکن منافقت کی وجہ سے ان کے کرنے والوں کو ثواب کے بجائے عذاب ملے گا۔

خوشامد

منافقت کرنے والا لوگوں کو خوش کرنے کے لیے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ اس کے دل میں ان کے لیے

بڑی عزت و محبت ہے، ان کی خوشامد کرتا ہے۔ ہر جگہ اور ہر وقت ان کی تعریف کرتا ہے اور ہر بات میں ان کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کسی کے سامنے اس کی تعریف کرتا ہے وہ گویا اسے ہلاک کر دیتا ہے۔" اور کسی کے سامنے اس کی تعریف کرنے والے کے متعلق فرمایا کہ "اس کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے۔"

اعمال میں منافقت کے سلسلے میں ایک بات یہ بھی ہے کہ ایسا شخص خدمت خلق اور فیاضی و سخاوت کے کام اللہ کی رضا کے لیے نہیں، بلکہ دنیاوی مَقاصِد کے لیے کرتا ہے۔ حالانکہ یہی کام اللہ کے لیے کیے جاتے تو بڑا اجر ملتا۔

منافقت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ لباس، بول چال اور رہن سہن ایسا اختیار کیا جائے جیسے یہ شخص بڑا اللہ والا درویش، بڑا عالم و فاضل، بڑا شریف اور نیک انسان ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہو اور یہ سب کچھ منافقت کے طور پر کیا جا رہا ہو۔

انسان منافقت کیوں اختیار کرتا ہے۔ اس کے چند اسباب و مقاصد یہ ہیں:

* انسان کا اخلاق و کردار اچھا نہ ہو اور وہ اپنے متعلق یہ سمجھتا ہو کہ وہ ایک برا اور بد اخلاق انسان ہے۔ لیکن وہ بُری باتیں چھوڑنے کے بجائے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور ظاہر یہ کرتا ہے کہ وہ ایک اچھا اور بلند کردار انسان ہے۔ حالانکہ یہ منافقت خود اس بات کی گواہ بن جاتی ہے کہ وہ بُرا شخص ہے۔

* بعض اوقات انسان کوئی ناجائز فائدہ حاصل کرنے کے لیے منافقت اختیار کرتا ہے۔

* منافقت لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے بھی اختیار کی جاتی ہے۔

* اپنے آپ کو لوگوں کا ہمدرد اور خیر خواہ ثابت کرنے کے لیے بھی منافقت کی جاتی ہے۔ ایسا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس نے منافقت کے ذریعے اپنا مقصد حاصل کر لیا ہے۔ لیکن حقیقت میں اس کے فوائد کم اور نقصانات زیادہ ہیں۔

مُنافقت کے نقصانات

انسان کسی شخص کو زیادہ دیر دھوکے میں نہیں رکھ سکتا اور اس کی منافقت کا راز بہت جلد فاش ہو جاتا ہے۔ اس سے انسان کا اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

* منافقت کرنے والا معاشرے میں بدنام اور ذلیل ہو جاتا ہے۔

* منافقت کرنے والے سے لوگ نفرت کرنے لگتے ہیں اور کوئی شخص دل سے اس کی عزت نہیں کرتا۔

*ایسا شخص معاشرے میں تنہا رہ جاتا ہے۔ کوئی شخص اس کے ساتھ دوستی اور محبت برقرار نہیں رکھ سکتا۔

*ایسے شخص کی آخرت بھی برباد ہو جاتی ہے اور قیامت میں اسے بد ترین سزا ملے گی۔

جو خصلت انسان کے لیے دنیا اور آخرت میں اس قدر تباہ کن اور نقصان دہ ہو، عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے بچا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس برائی سے دور رہ سکیں۔ (آمین)

مشق

۱۔ منافقت کا مطلب بیان کریں۔

۲۔ انسان کے اعمال میں منافقت کی مختلف صورتیں مختصر طور پر بیان کریں۔

۳۔ منافقت کے اسباب پر روشنی ڈالیں۔

۴۔ منافقت کے نقصانات بیان کریں۔

۵۔ خالی جگہ پُر کریں:۔

(الف) منافقت یہ ہے کہ باطن میں کچھ ہو اور .... میں کچھ اور۔

(ب) منافق آدمی دکھاوے کے لیے لمبی لمبی .... پڑھتا ہے۔

(ج) اللہ کے نزدیک صرف ایسی نیکی قابل قبول ہے جو .... دل سے کی جائے۔

(د) منافقت کرنے والے کی زبان شکر سے زیادہ .... اور دل بھیڑیے جیسا .... ہوتا ہے۔

(ہ) انسان کسی مفاد کی غرض سے بھی .... اختیار کرتا ہے۔

(و) منافقت کرنے والے سے لوگ .... کرنے لگتے ہیں۔



مُساوات

مساوات کا لفظ ہم اپنی زبان میں کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ مساوات برابر ہونے یا برابری کو کہتے ہیں۔ اسلام مساوات کا دین ہے اور اس میں تمام انسانوں کا درجہ ایک جیسا ہے۔ ہمارا خالق، پروردگار اور مالک ایک ہے۔ اور ہم سب اس کے بندے ہیں۔ اس طرح ایک اللہ کے بندے ہونے کی وجہ سے ہم سب برابر ہیں۔

ہمارے پیارے رسول ﷺ نے آخری حج کے موقع پر فرمایا:

"لوگو! تمھارا ربّ ایک ہے۔ تمھارا باپ ایک ہے۔ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو۔ اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے، جو تم میں سب سے زیادہ مُتّقی اور پرہیز گار ہے۔ پس کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ کسی سُرخ کو کسی کالے اور کسی کالے کو کسی سُرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت صرف تقویٰ کی بنا پر حاصل ہے۔"

اس خطبے سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ کے نزدیک تمام انسانوں کا مرتبہ برابر ہے اور اسلام کی بنیاد انسانی مساوات پر قائم ہے۔ اگر کسی کو کوئی مرتبہ حاصل کرنا ہے تو وہ تقویٰ میں آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔ کسی نسل، کسی خاندان، کسی پیشے، کسی ملک یا مال و دولت کی وجہ سے انسان کو بڑائی حاصل نہیں ہوتی۔ یہ مساوات کا وہ اعلیٰ معیار ہے، جس کی مثال آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی کہیں نہیں مل سکتی۔ دنیا کے اکثر مذاہب اور دنیا کی بڑی قومیں مساوات کا دعویٰ تو بہت کرتی ہیں، لیکن اس پر عمل نہیں کرتیں۔ ہندوؤں میں ذات پات کی تمیز سے سب واقف ہیں۔ جو شخص کسی شودر کے گھر پیدا ہو گیا، وہ اچھوت ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے نیچ اور گھٹیا سمجھا جاتا ہے۔ زمانے کی اتنی ترقّی کے باوجود انسانیت کو مساوات حاصل نہیں۔ حضرت محمد ﷺ نے آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے انسانیت کو مساوات کا سبق بھی دیا تھا اور اس پر عمل بھی کر کے دکھا دیا تھا۔

حضرت بلالؓ نہ عرب تھے اور نہ آزاد تھے۔ بلکہ کالے رنگ کے ایک حبشی غلام تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد تقویٰ اور نیکی کی وجہ سے انھیں یہ مقام حاصل ہوا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ انھیں "یَاسَیِّدِی" (اے میرے آقا!) کہہ کر پکارتے تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کو رسول اللہ ﷺ نے اہل بیت کا ایک فرد قرار دیا۔ اسلام میں حضرت صُہیبؓ رومی کا درجہ قریش مکہ کے کسی بڑے سے بڑے سردار سے کم نہ تھا۔ مکے کے مہاجرینؓ اور مدینہ کے

انصارؓ بھائی بھائی بنادیے گئے۔ غلاموں کا مرتبہ آزاد لوگوں کے برابر تھا۔ اور بچے انسان ہونے کی حیثیت سے بڑوں کے برابر تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دودھ لایا گیا۔ سنت یہ تھی کہ تقسیم دائیں طرف سے شروع کی جائے۔ اس طرف ایک لڑکا بیٹھا تھا۔ آپ ﷺ نے مساوات پر عمل فرمایا اور اپنا حصہ لے کر سب سے پہلے پیالہ اُس بچے کو دیا۔ ایک مرتبہ اونچے خاندان کی ایک عورت نے چوری کی۔ لوگوں نے اس کی سفارش کرائی تو فرمایا: "اللہ کی قسم! اگر فاطمہؓ بنت محمد ﷺ چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔" ہمیں رسول اکرم ﷺ کی زندگی سے مساوات کی ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سب جہانوں کا رب ہے کسی ایک نسل یا قوم کا رب نہیں۔ اس نے تمام اولادِ آدم کو اشرف المخلوقات ہونے کی فضیلت دی ہے۔ اُس نے فرمایا: "تمھیں کسی قوم کی دشمنی عدل سے ہٹانہ دے۔ سب کے ساتھ انصاف کرو۔ یہی بات تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔" (المائدہ:٨)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دیا۔ اور ہر مسلمان کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کو دوسرے مسلمان پر فرض قرار دیا۔ اسلامی مساوات اس کا نتیجہ ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ مثال صرف اسلام ہی نے قائم کی کہ غلاموں کے سروں پر تاج شاہی سجادیا۔ خود برصغیر میں خاندان غلاماں کی سلطنت سے مسلمانوں کی حکومت کا آغاز ہوا۔ جس میں قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش اور ناصر الدین محمود جیسے لائق اور عظیم حکمران ہو گزرے ہیں۔

مشق

١۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے آخری حج کے خطبے میں اسلامی مساوات کے متعلق کیا تعلیمات دیں؟

٢۔ اسلام میں فضیلت کی بنیاد کس بات کو قرار دیا گیا ہے؟

٣۔ ایک اونچے خاندان کی عورت نے چوری کی تو اس کی سفارش کرنے پر آپ ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا؟

٤۔ خالی جگہ پُر کریں:۔

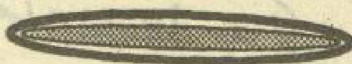
(الف) مساوات .... کو کہتے ہیں۔

(ب) تمام انسان .... کی اولاد ہیں۔

(ج) اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ .... ہے۔

(د) ہندو .... کو اچھوت اور ذلیل خیال کرتے ہیں۔

(ہ) حضرت عمرؓ حضرت بلالؓ کو .... کہہ کر پکارتے تھے۔



سخاوت کا مفہوم اور فضیلت

اسلام کے اخلاقی نظام میں سخاوت بہت اہمیت رکھتی ہے۔ سخاوت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ کی رضا و خوشنودی کی خاطر ضرور تمندوں کی مدد کرے، ان سے بدلے کی امید نہ رکھے اور نہ اس کا مقصد دکھاوا ہو۔ اللہ کا ارشاد ہے:۔ "کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے، تو وہ اس کے لیے کئی گنا کردے۔" (الحدید:۱۱) ایک اور جگہ ارشاد ہوا:۔

"اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جو اس کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ (اور ان سے کہتے ہیں) ہم اللہ کی خاطر تمھیں کھلا رہے ہیں۔ تم سے کسی بدلے یا شکریے کے طلب گار نہیں۔" (الدھر:۸ تا ۹)

تاریخِ اسلام ہمارے بزرگوں کی سخاوت و فیاضی کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ عرب کی سب سے زیادہ مالدار خاتون تھیں، لیکن آپ کی ساری دولت اسلام کی تبلیغ کے لیے خرچ ہوئی۔ مکے کی پُر خطر زندگی میں حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے مال دار مسلمانوں نے بہت سے غلاموں کو کافروں سے خرید کر آزاد کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی کثیر رقم کئی موقعوں پر اسلام کی راہ میں خرچ کی۔ غزوۂ تبوک کے موقعے پر اپنے گھر کا سارا مال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا اور بال بچوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔ حضرت عمرؓ اس موقعے پر گھر کا آدھا مال لے آئے۔ حضرت عثمانؓ کی سخاوت نقد رقم کے علاوہ نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی۔ حضرت عثمانؓ جودوسخا میں اپنی مثال آپ تھے۔ مدینہ منورہ میں ایک کنواں ایک یہودی کی ملکیت تھا۔ اس نے مسلمانوں پر اس کے پانی کو استعمال کرنے کی پابندی عائد کر رکھی تھی۔ مسلمانوں کو پانی کے حصول میں سخت مشکلات کا سامنا تھا۔ حضرت عثمانؓ کو علم ہوا تو منہ مانگے داموں کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کردیا۔ فیاضی حضرت علیؓ کا خاص وصف تھا۔ فقر وفاقہ کی زندگی گزارنے کے باوجود جو کچھ ان کے ہاتھ آیا، اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کردیا۔ ایک مرتبہ افطار کے وقت آپ کے ہاں ایک مہمان آئے تو گھر میں جو کچھ تھا، انھیں پیش کردیا۔ اور خود پانی کے ساتھ روزہ افطار کیا۔ وہ اپنی محنت مزدوری کی کمائی کا بڑا حصہ غریبوں، محتاجوں، بیواؤں اور یتیموں کی مدد میں خرچ کردیتے تھے۔

اَحادیث مبارکہ میں سخاوت کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "ابن آدم کہتا

ہے۔ میرا مال! میرا مال! حالانکہ تیرے مال کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ جو کھالیا ختم ہو گیا، جو پہن لیا پرانا کر دیا۔ البتہ جو صدقہ کیا، وہ بچالیا۔" ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے فرمایا:۔

"اے ابوذرؓ! مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور تیسرے دن تک اس میں سے ایک اشرفی بھی میرے پاس رہ جائے۔ میں چاہوں گا کہ اس کو اللہ کے بندوں میں دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے بانٹ دوں۔"

ہمیں چاہیے کہ انسانی برادری کے ہر فرد کی ضرورت کو اپنی ضرورت کی طرح محسوس کریں اور سخاوت و فیاضی سے اللہ کے راستے میں خرچ کریں۔

مشق

۱۔ سخاوت کا مفہوم واضح کریں۔

۲۔ تاریخ اسلام سے سخاوت کے چند واقعات بیان کریں۔

۳۔ حضرت عثمانؓ کی سخاوت پر نوٹ لکھیں۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ نے انسان کے مال کی حقیقت کو کس طرح واضح کیا؟



حُقُوقُ الْعِبَاد

اسلام زندگی کے ہر معاملے میں واضح اصول پیش کرتا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ معاشرتی زندگی میں تمام افراد کو فرداً فرداً ان کے جائز حقوق ملتے رہیں، تاکہ وہ سکون کے ساتھ اپنی زندگی گزار سکیں اور اپنی صلاحیتیں معاشرے کی ترقی میں استعمال کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے درمیان حقوق کا واضح تعین کر دیا۔

حقوق دو قسم کے ہوتے ہیں۔ (الف) حقوق اللہ (ب) حقوق العباد۔ حقوق اللہ سے مراد اللہ کے حقوق ہیں۔ جیسے کہ نماز روزہ وغیرہ۔ حقوق العباد سے مراد بندوں کے حقوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے حقوق ادا کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ ان حقوق میں والدین، رشتے دار، پڑوسی، مہمان، اجنبی، مسافروں، خادموں اور غلاموں وغیرہ کے حقوق شامل ہیں۔

والدین اور اولاد کے حقوق کے بعد اسلام سب سے زیادہ اہمیت رشتے داروں کے حقوق کو دیتا ہے۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے عزیز واقارب کے حقوق کا خیال رکھیں اور ان کی ضرورتوں کو پورا کریں۔ تلقین کی گئی ہے کہ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اس میں ترجیح اپنے رشتہ داروں کو دو۔ قرآن اور حدیث دونوں سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ رشتے داروں کے حقوق کو اللہ تعالیٰ نے کتنی زیادہ اہمیت دی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰى حَقَّهٗ (بنی اسرائیل:۲۶) ترجمہ: "رشتہ دار کو اس کا حق دو۔"

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

"لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ" ترجمہ: رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اسی طرح مہمانوں کے حقوق کے بارے میں بھی زور دیا گیا ہے۔ ان سے حسن سلوک کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور مہمانوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت قرار دیا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے گھر میں جب بھی کوئی مہمان آتا تو آپ ﷺ اس کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔ گھر میں جو کچھ ہوتا اس کے سامنے لا کر رکھ دیتے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے ایک دوسرے صحابی کی مہمان نوازی کی۔ جب وہ انھیں اپنے گھر لے گئے۔ تو پتہ چلا کہ گھر میں صرف انھی کے حصے کا کھانا موجود ہے۔ انھوں نے رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مہمان کے سامنے کھانا رکھ کر چراغ بجھا دیا اور یوں ظاہر کیا کہ

جیسے وہ بھی مہمان کے ساتھ کھا رہے ہیں۔ صبح کو جب رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "رات کو تمھاری مہمان نوازی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آئی۔"

اسی طرح مہمان کو بھی چاہیے کہ وہ میزبان کے ہاں زیادہ ٹھہر کر اسے تکلیف نہ پہنچائے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "مہمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ میزبان کے یہاں اتنا ٹھہرے کہ اس کو پریشانی میں مبتلا کردے۔"

مریضوں کے حقوق ادا کرنے کی بھی بہت تاکید کی گئی ہے۔ مریض کی عیادت کرنا ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان بھائی کا حق ہے اور اللہ سے محبت کا تقاضا ہے۔ اللہ سے تعلق رکھنے والا اس کے بندوں سے بے تعلّق نہیں رہ سکتا۔ مریض کی غم خواری اور ہمدردی سے غفلت برتنا دراصل اللہ سے غافل ہونا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:۔

"قیامت کے روز اللہ فرمائے گا۔ "اے آدم کے بیٹے! میں بیمار پڑا اور تو نے میری عیادت نہیں کی؟" بندہ کہے گا "پروردگار! آپ ساری کائنات کے رب ہیں۔ بھلا میں آپ کی عیادت کیسے کرتا! اللہ کہے گا۔ "میرا فلاں بندہ بیمار تھا۔ تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔ اگر تو اس کی عیادت کو جاتا تو مجھے وہاں پاتا۔"

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: "جس نے اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کی وہ جنت کے بالاخانے میں ہوگا۔"

نبی کریم ﷺ خود بھی مریضوں کی عیادت کرتے تے اور ان کی صحت یابی کے لیے دعا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے۔

مشق

۱۔ حقوق العباد کی اہمیت بیان کریں۔
۲۔ مہمان کے حقوق بیان کریں۔
۳۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں رشتہ داروں کے حقوق کی وضاحت کریں۔
۴۔ مریض کی عیادت کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا؟



میانہ روی

اسلام ہمیں زندگی کے تمام معاملات میں میانہ روی کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:۔ "تمام معاملات میں میانہ روی اختیار کرنا سب سے اچھا ہے۔" زندگی گزارنے کے کامیاب اصولوں میں سے میانہ روی ایک اہم اصول ہے۔ جو عمل حد سے گھٹ جائے یا حد سے بڑھ جائے تو وہ عمل غیر فطری ہو جاتا ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے:۔ "میانہ روی اختیار کرو اور خوش رہو۔"

اُمّتِ مُسلمہ کو قرآن میں "اُمّت وَسَط" کہا گیا ہے یعنی درمیان والی امت۔ امت محمد رسول اللہ ﷺ ہونے کے ناطے ہمیں اعتدال کی روش اختیار کرنی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم ہمیں تمام معاملات میں عدل کا حکم دیتا ہے اور رویوں میں اعتدال کی تعلیم دیتا ہے۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جب زمین پر چلیں تو اکڑ کر نہ چلیں۔ جب بات کریں تو درمیانی آواز سے بات کریں۔ اتنی اونچی آواز نہ ہو کہ کانوں پر گراں گزرے اور اتنی نیچی بھی نہ ہو کہ سنائی نہ دے۔ قرآن شریف میں ہے کہ آوازوں میں سب سے بُری آواز گدھے کی آواز ہے۔ (لقمان:۱۹) اسی طرح خرچ کرنے میں بھی اسلام میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ رحمان کے بندے وہ ہیں جو خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ وہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔

عبادت میں میانہ روی

اسلام میں عبادت کی بہت اہمیت ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ میں نے جن وانس کو پیدا ہی عبادت کے لیے کیا ہے۔ عبادت کی اس اہمیت کے باوجود اسلام نے اس میں اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا ہے۔ بعض صحابہؓ عبادت کے شوق میں بہت آگے بڑھ گئے، تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں راہ اعتدال کا درس دیا اور فرمایا کہ میں نفلی روزے بھی رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں۔ اسی طرح میں تہجد بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ حالانکہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ تم پر تمہارے جسم و جان کا بھی حق ہے اور بیوی بچوں کا بھی حق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جہاں ایک طرف عبادت میں ذوق و شوق اور اِنہماک کی تعلیم دی وہیں ہمیں ترک دنیا اور رہبانیت سے بھی منع فرمایا۔ اس طرح آپ ﷺ نے امت مسلمہ کو عبادت میں بھی میانہ روی کی تاکید فرمائی۔

اخلاق میں میانہ روی

اسلام نے ہمیں اخلاق و کردار کے بارے میں میانہ روی کی ہدایت فرمائی ہے۔ ایک طرف ہمیں غُرور و تکبّر سے منع کیا گیا ہے تو دوسری طرف ریاکارانہ عاجزی اور مصنوعی انکساری کو بھی ناپسند کیا ہے۔ حکم دیا گیا کہ چلنے میں میانہ روی اختیار کی جائے۔ نہ اکڑ کر چلیں نہ مریل چال سے۔ رسول اللہ ﷺ گفتگو میں میانہ روی سے کام لیتے۔ آواز نہ ایسی بلند ہوتی کہ سننے والے پر گراں گزرے، نہ اتنی دھیمی ہوتی کہ مخاطب کو سننے میں دِقّت محسوس ہو۔ اپنے فرزند کی وفات پر آپ کی آنکھوں میں آنسو چھلک پڑے، لیکن زبان سے بے صبری کا اظہار نہ ہوا۔ اسی طرح کھانے پینے کے بارے میں بھی میانہ روی کی تعلیم دی گئی ہے۔

خرچ میں میانہ روی

اسلام نے زندگی کے دوسرے معاملات کی طرح ہمیں خرچ میں بھی میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔ قرآن مجید ایک طرف اِسراف اور فضول خرچی سے روکتا ہے، تو دوسری طرف بخل اور کنجوسی سے بھی منع کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میانہ روی اختیار کرنے والا تنگ دست نہیں ہوتا۔

ہمیں چاہیے کہ زندگی کے تمام معاملات میں میانہ روی کے سنہری اصول پر عمل پیرا ہوں۔

مشق

۱۔ عبادت میں میانہ روی سے کیا مراد ہے؟
۲۔ اخلاق میں میانہ روی کے بارے میں اسلام کی تعلیمات بیان کریں۔
۳۔ خرچ میں میانہ روی کے موضوع پر ایک مختصر مضمون لکھیے۔
۴۔ رسول اکرم ﷺ کی زندگی سے میانہ روی کے کوئی دو واقعات لکھیے۔



ماحول میں آلودگی اور اسلامی تعلیمات

آج کل پوری دنیا ماحول کی آلودگی جیسے خطرناک مسئلے سے دوچار ہے۔ ہر جگہ گندگی کے ڈھیر نظر آرہے ہیں۔ کوڑا کرکٹ بے احتیاطی سے عام راستوں اور گزرگاہوں میں پھینکنا، پلاسٹک کے تھیلوں کی بھرمار، کارخانوں اور ملوں کا دھواں، گاڑیوں کا شور اور دھواں وغیرہ سب ماحول کی آلودگی کے اسباب ہیں۔ صفائی اور پاکیزگی کو اسلامی تعلیمات میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ صاف ستھرا رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ اس وجہ سے یہ ہمارا مذہبی فریضہ ہے کہ ہم ماحول کو آلودگی سے بچانے میں مدد دیں۔ رسول اکرم ﷺ نے درخت لگانا صدقہ جاریہ قرار دیا ہے۔ اور یہ ہم سب کو معلوم ہے کہ پودے اور درخت ماحول کو آلودگی سے بچانے میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ پودے اور درخت آکسیجن مہیا کرتے ہیں۔ جو ہماری زندگی کے لیے بے حد ضروری ہے۔ شجر کاری میں رسول اللہ ﷺ نے خود حصہ لیا اور صحابہؓ کے ساتھ مل کر کھجور کے پودے لگائے۔ گھر کے ماحول کو صاف ستھرا رکھنے میں آپ ﷺ خود بھی حصہ لیتے تھے۔

آلودہ اور تکلیف دہ ماحول کو ختم کرنے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایمان کے ستر سے کچھ اوپر شعبے بیان فرمائے جن میں سے ایک شعبہ تکلیف دہ چیز کا راستے سے ہٹانا بھی ہے۔

ماحول کو صاف ستھرا رکھنا ہمارا مذہبی فریضہ ہے۔ نماز جیسی اہم عبادت کی ادائگی کے لیے بھی جگہ کا پاک صاف ہونا لازمی ہے۔ حدیث میں ایسے مکانات کی تعمیر کرنے سے منع کیا گیا ہے، جن کی وجہ سے ہمسایوں کے مکانات تک صاف اور تازہ ہوا پہنچنے میں رکاوٹ ہو۔ شوروغل بھی ماحول کی آلودگی کا حصہ ہے۔ ہر طرف گاڑیاں چل رہی ہیں، جو ایک طرف دھواں چھوڑ کر ماحول کو آلودہ کرتی ہیں تو دوسری طرف بہت تیز ہارن بجا کر کانوں کے پردے پھاڑتی ہیں اور دل و دماغ کو متاثر کرتی ہیں۔ قرآن کریم نے تقریباً چودہ سو سال پہلے اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ (لقمان:۱۹) ترجمہ: "بے شک آوازوں میں سب سے بُری آواز گدھے کی ہے" کہہ کر شوروغل کو ایک ناپسندیدہ عمل قرار دیا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے گھر کا کوڑا کرکٹ گلیوں میں نہ پھینکیں، دھواں چھوڑتی ہوئی گاڑیوں کو ٹھیک کرائیں۔ اپنی نہروں، دریاؤں اور ساحلوں کو آلودگی سے بچائیں۔ کیونکہ صاف پانی انسانی صحت کے لیے اور پانی میں پائی جانے

والی مخلوق (مچھلیوں، جھینگوں اور مرغابیوں وغیرہ) کے لیے نہایت ضروری ہے۔ جنگلات ہمارا قیمتی سرمایہ ہیں۔ ان سے ہمارا ماحول صاف رہتا ہے۔ سانس لینے کے لیے تازہ ہوا میسّر آتی ہے۔ لہٰذا ہمیں جنگلات کی حفاظت کرنی چاہیے، نہ درختوں کو نقصان پہنچایا جائے، نہ اُن کے قریب جلتی ہوئی کوئی چیز پھینکی جائے۔ اس کے علاوہ اور نئے جنگل اگانے پر توجہ دینی چاہیے۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے درخت لگانے کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اور سرسبز درختوں کو کاٹنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "ایک مؤمن اگر کوئی درخت لگاتا ہے یا کھیتی اگاتا ہے اور پھر اس سے پرندے یا کوئی جاندار کھائے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہے۔" ایک اور موقع پر فرمایا: "اگر کوئی شخص درخت لگا رہا ہو اور قیامت نمودار ہونے لگے تو پھر بھی وہ درخت لگانا جاری رکھے۔"

مشق

۱۔ ماحول کی آلودگی سے کیا مراد ہے؟

۲۔ ماحول کو صاف رکھنے کے لیے ہم کیا کچھ کرسکتے ہیں؟

۳۔ جنگلات اگانے کے کیا فوائد ہیں؟

۴۔ رسول اللہ ﷺ نے شجرکاری کے بارے میں کیا ہدایات دی ہیں؟



کسبِ حلال

کسبِ حلال کے معنی ہیں حلال کمائی۔ یعنی روزی کمانے کے لیے ایسے ذرائع اختیار کیے جائیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جائز قرار دیے ہوں۔ دھوکے اور فریب سے کسی کا حق نہ مارا گیا ہو، کسی کی مجبوری سے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا گیا ہو، کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی نہ کی گئی ہو اور کسی کو نقصان پہنچا کر فائدہ حاصل نہ کیا گیا ہو۔ اس طرح جائز حدود میں رہتے ہوئے محنت کر کے جو کمائی حاصل کی جائے وہ کسبِ حلال ہے اور عین عبادت ہے۔

اسلام نے کسبِ حلال پر بڑا زور دیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے محنت اور حلال طریقے سے کمائی کرنے والے کو اللہ کا دوست قرار دیا ہے۔

کسبِ حلال کے فائدے

حلال کی کمائی سے انسان میں عزتِ نفس پیدا ہوتی ہے۔ وہ دوسروں کی محتاجی سے بچا رہتا ہے۔ جو روزی محنت اور حلال ذریعوں سے حاصل کی جاتی ہے، اس میں برکت ہوتی ہے۔ اسے انسان فضول کاموں میں ضائع نہیں کرتا اور وہ بہت سے گناہوں اور برے کاموں سے بچا رہتا ہے۔ کسبِ حلال اختیار کرنے والے کا ضمیر مطمئن رہتا ہے۔ اسے سکونِ قلب نصیب ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے انسان حرام سے محفوظ رہتا ہے اور اسے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ حلال کی کمائی کرنے والا کسی سے نہیں ڈرتا۔

حرام کمائی کے نقصانات

حرام کی کمائی میں برکت نہیں ہوتی۔ انسان اکثر اسے بے پرواہی سے فضول کاموں میں ضائع کر دیتا ہے۔ حرام کی کمائی انسان کو گناہوں کی طرف راغب کرتی ہے۔ وہ اسے عیاشی اور نمود و نمائش کے کاموں پر برباد کر دیتا ہے۔ حرام کمانے والا سکونِ قلب سے محروم رہتا ہے اور اس کا ضمیر اُسے ملامت کرتا رہتا ہے۔ دوسرں کا حق مار کے کمانے والا اور حرام خور خود اپنی نگاہوں میں گر جاتا ہے۔ حرام کمانے والے کو معاشرے میں نفرت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ اور وہ ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے۔ حرام کھانے والا ظالم ہوتا ہے۔ لوگ اسے بددعائیں دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مظلوم کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ حرام کمانے والا اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے۔ اور حکومت و معاشرے کے قوانین اور قاعدوں کو بھی توڑتا ہے۔

حرام کمانے والے کی نہ نماز قبول ہوتی ہے، نہ دعا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے شخص کی مثال بیان فرمائی جس کے بال بکھرے ہوئے اور کپڑے گرد و غبار سے اٹے ہوئے ہیں۔ (جیسے کہ وہ دور دراز سے بیت اللہ شریف آیا ہو) لیکن اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام، اس کا جسم حرام کی کمائی سے پلا بڑھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بھلا اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔

رشوت، بددیانتی، ناجائزمنافع خوری، ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکیٹنگ، ملاوٹ، مُنشیات، چوری، ڈکیتی، نوسربازی، غبن، دھوکہ اور فریب کے ذریعے روزی کمانا حرام ہے اور قیامت کے روز اس کی بہت زیادہ سزا مقرر ہے۔ حرام خور کی دنیا کی زندگی عذاب ہوتی ہے۔ اس کی نیندیں حرام ہوجاتی ہیں۔ لوگوں کی نفرت اس کا سکون غارت کردیتی ہے۔ اندر سے اس کا ضمیر اسے ہر وقت ملامت کرتا رہتا ہے اور اس کی آخرت تو انتہائی تکلیف دہ اور رسواکن ہوگی۔

دوسری طرف رزق حلال ہے۔ اسے حاصل کرنے کی جدوجہد کو رسول اللہ ﷺ نے عبادت قرار دیا ہے۔ ایک جوان رسول اللہ ﷺ کے پاس سے تیزی سے گزرا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر یہ اس لیے جارہا ہے کہ کما کر اپنی روزی حاصل کرے اور اس سے اپنے خاندان کی پرورش کرے، تو یہ بھی عبادت ہے۔"

مشق

۱۔ کسبِ حلال سے کیا مراد ہے؟ تفصیل سے لکھیں۔

۲۔ کسبِ حلال کے فوائد بیان کریں۔

۳۔ حرام کی کمائی کے نقصانات بیان کریں۔

۴۔ رزق حلال کی جدوجہد کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا؟

۵۔ معاشرے کی نفرت اور مظلوموں کی بددعا کا حرام خور پر کیا اثر پڑتا ہے؟

۶۔ وہ کون سا شخص ہے، جس کی دعا قبول نہیں ہوتی؟

۷۔ مظلوم کی بددعا کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا؟

۸۔ خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) حلال طریقے سے محنت کرکے کمانے والا............ ہے۔

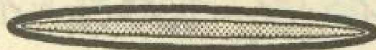
(ب) کسبِ حلال اختیار کرنے والے کا ضمیر .... ہوتا ہے۔

(ج) .... رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔

(د) .... کی کمائی میں برکت نہیں ہوتی۔

(ہ) حرام خور کا .... اسے ملامت کرتا ہے۔

(و) حرام کھانے والے کو معاشرے میں .... کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔



محنت کی عظمت

اپنے ہاتھ سے اپنے کام خود کرنا یا اپنی روزی کمانا محنت کہلاتا ہے۔ انسان کی عزت و عظمت اسی میں ہے کہ وہ محنت کرے اور دوسروں کا محتاج بن کر نہ رہے۔ اسلام نے محنت و عمل پر بڑا زور دیا ہے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے اُسوۂ حَسَنَہ سے ہمیں عظیم الشان مثالیں ملتی ہیں۔

ایک سفر کے دوران قافلہ ایک جگہ رکتا ہے۔ لوگ سواریوں سے اتر کر خیمے لگاتے ہیں۔ کھانا تیار کرنے اور کام کاج کی تقسیم کے لیے مشورے ہوتے ہیں۔ لوگ اپنے اپنے کام شروع کرنے کے لیے اٹھتے ہیں۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ جنگل سے لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے تشریف لائے۔ صحابہ کرامؓ تو آپ ﷺ کے ایک اشارے پر خدمت کے لیے تیار ہوتے اور اسے اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے۔ وہ بھلا آپ ﷺ کے ذمے کب کوئی کام لگا سکتے تھے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کو یہ گوارا نہ تھا کہ دوسرے تو کام کریں اور آپ ﷺ بے کار رہیں۔ اس لیے آپ ﷺ نے خود ہی اپنے لیے ایک کام تجویز فرمایا اور اس کی فوری طور پر تکمیل کر کے کام میں اپنا حصہ ادا کر دیا۔ یہ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی کی یہ کوئی واحد مثال نہیں ہے۔ بلکہ آپ ﷺ کبھی بھی اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں اور محنت و مشقت میں کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے۔ ہجرت کے بعد مدینہ تشریف آوری پر سب سے پہلا اہم کام مسجد نبوی کی تعمیر تھا۔ اس میں آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر ایک مزدور کی طرح کام کیا۔ جس طرح آج کے دور میں بعض بڑے بڑے زمیندار اور جاگیردار ہاتھ سے کام کرنے میں اپنی توہین سمجھتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے بڑے لوگوں کا بھی یہی حال تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ انسان کی عظمت اور بڑائی اس بات میں نہیں کہ وہ دوسروں سے خدمت لیتا رہے اور اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں اپنی توہین سمجھے۔ بلکہ اصل عظمت محنت میں ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰهِ ترجمہ: "محنت کش اللہ کا دوست ہوتا ہے۔"

محنت انبیاء کِرام عَلَیْہِمُ السّلام کی سنت

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے لوگوں کے دلوں میں محنت کی عظمت کا نقش بٹھانے کے لیے ایک اور بات ارشاد فرمائی: "کسی شخص نے کبھی اس سے بہتر کھانا نہیں کھایا، جو اُس نے اپنے ہاتھوں کی محنت سے کمایا ہو۔"

اور پھر فرمایا کہ "اللہ کے نبی، داؤد علیہ السلام، اپنے دونوں ہاتھوں کی محنت سے روزی کماتے تھے۔" اور حضرت داؤد علیہ السلام ہی نہیں، تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے کسی کام، پیشے یا ہنر کو بُرا نہیں سمجھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام درزی تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام بڑے اچھے بڑھئی (ترکھان) تھے۔ انھوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے دور کی سب سے بڑی کشتی بنائی تھی۔ حضرت ہود علیہ السلام تاجر تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام گلہ بان بھی تھے اور کسان بھی۔ اُن کے پاس ہزاروں مویشیوں اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ ہوا کرتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی یہی حال تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو آہن گری میں کمال حاصل تھا۔ وہ تلواریں اور زرہ بکتر بنایا کرتے تھے۔

محنت اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے عمل سے ہمیں محنت کی عظمت کا سبق دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گلہ بانی بھی کی اور تجارت بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر کے معمولی کام کاج بھی اپنے ہاتھ سے کرلیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہاتھ سے بکریوں کا دودھ دوھ لیتے، کھانا تیار کرلیتے، کپڑوں کو پیوند لگالیتے اور انھیں خود ہی دھولیتے، اپنے بال خود بنالیتے۔ لکڑیاں اکٹھی کرلاتے، محنت مزدوری کرلیتے۔ غزوۂ احزاب میں خندق کی کھدائی بڑا مشکل کام تھا۔ اس کھدائی کے مشکل ترین مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اس میں عملی طور پر حصہ لیا۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم محنت اور کسی پیشے کو حقیر نہ سمجھیں۔ بلکہ محنت کو اپنا شعار بنائیں۔ مزدور، محنت کش اور کاریگر کا احترام کریں۔ اُس کی دل شکنی اور دل آزاری سے گریز کریں، اس کے کام کو آسان اور کام کی جگہ کو آرام دہ بنائیں۔

محنت کے فائدے

محنت کے بہت سے فائدے ہیں، مثلاً خود محنت کرنے اور اس میں کوئی عار محسوس نہ کرنے والا دوسروں کی محتاجی سے بچ جاتا ہے۔ معاشرے میں جو ترقی و بہتری ہوتی ہے، اس سے وہ خود اور اس کا خاندان بھی فیض اٹھاتا ہے۔ محنت سے عزتِ نفس اور خودداری پیدا ہوتی ہے اور دلی اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ خود ہاتھ سے کام کرنے کے نتیجے میں غرور اور تکبر نہیں رہتا اور بندے میں تواضع اور انکساری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ محنت سے انسان کی صحت ٹھیک رہتی ہے اور وہ بہت سی بیماریوں سے بچ جاتا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم محنت کریں، کسی کام یا پیشے کو حقیر نہ سمجھیں اور محنت کرنے والوں کی عزت کریں۔

مشق

۱۔ محنت کی عظمت پر نوٹ لکھیں۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے محنت کی عظمت کی دو مثالیں پیش کریں۔

۳۔ انبیاء کرام علیہم السلام محنت کش اور ہنر مند ہوتے تھے، واضح کریں۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے ہمیں محنت کا سبق کس طرح ملتا ہے؟

۵۔ ہاتھ سے کام کاج اور محنت کرنے کے فوائد اور خوبیاں بیان کریں۔

۶۔ محنت سے جسمانی طور پر کیا فائدہ پہنچتا ہے؟

۷۔ حضرت نوح علیہ السلام کس ہنر میں مہارت رکھتے تھے؟

۸۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو کس ہنر میں کمال حاصل تھا؟

۹۔ کس نبی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ درزی تھے؟

۱۰۔ خالی جگہ پُر کریں:۔

(الف) انسان کو چاہیے کہ وہ محنت کرے اور دوسروں کا............ بن کر نہ رہے۔

(ب) مسجد نبوی کی تعمیر میں رسول اللہ ﷺ نے ایک............ کی طرح حصہ لیا۔

(ج) محنت کش اللہ کا............ ہوتا ہے۔

(د) سب سے بہتر کھانا وہ ہے، جو انسان نے اپنے دونوں............ کی............ سے کمایا ہو۔

(ہ) اللہ کے نبی حضرت............ اپنے دونوں ہاتھوں کی محنت سے روزی کماتے تھے۔

۱۱۔ اپنی کلاس کی دیواروں اور کھڑکیوں کی صفائی کا منصوبہ بنا کر اس پر عمل کریں۔ دیکھیں اس طرح آپ کا ماحول کتنا خوشگوار ہوا۔

۱۲۔ اسکول کی شجرکاری کی مہم میں حصہ لیں۔ اس کی باقاعدہ منصوبہ بندی کریں، بعد میں اپنے لگائے ہوئے پودوں کی حفاظت اور آبیاری کا انتظام کریں اور اس کا ریکارڈ رکھیں۔



باب پنجم

(الف) ہدایت کے سرچشمے

حضرت موسیٰ علیہ السلام

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ اس نے ان کی دنیا کی تمام ضرورتوں کا بندوبست کیا ہے۔ ان کی مادی اور جسمانی ضرورتوں کے علاوہ ان کے اخلاقی، روحانی، تعلیمی اور تربیتی تقاضے پورے کرنے کا انتظام بھی کیا ہے۔ ان مقاصد کو پورا کرنے کے لیے اس نے اپنے خاص بندوں کو رسول بنا کر بھیجا۔ یہ رسول ہر دور اور ہر قوم میں وقتاً فوقتاً آتے رہے اور لوگوں تک اللہ کے احکام اور ہدایتیں پہنچاتے رہے۔

پیدائش اور پرورش

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر رسول ہیں۔ وہ تقریباً ساڑھے تین ہزار سال پہلے پیدا ہوئے۔ اس وقت مصر میں ایک فرعون کی حکومت تھی۔ فرعون کافر ہونے کے علاوہ بڑا ظالم وجابر اور متکبّر بادشاہ تھا۔ اس نے قوم کو طبقوں میں بانٹ کر غلام بنا رکھا تھا۔ ان طبقات میں بنی اسرائیل بھی تھے۔ جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ یہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں فلسطین سے مصر آئے تھے اور یہاں آباد ہوگئے تھے۔ فرعون بادشاہ کے کسی کاہن نے پیشین گوئی کی کہ قوم بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ جس کے ہاتھ سے فرعون کی حکومت کو زوال آئے گا۔ اس لیے فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو، اسے قتل کردیا جائے اور لڑکیوں کو باقی رکھا جائے۔ اسی زمانے میں عمران کے گھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ان کی ماں نے قتل کے ڈر سے انھیں ایک صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس آپہنچا۔ اس کی بیوی آسیہ نے دیکھا کہ اس صندوق میں ایک خوبصورت بچہ ہے۔ اس نے خوش ہو کر اس بچے کو اپنے پاس رکھ لیا۔ اس طرح اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے گھر میں کرائی جو اُن کا جانی دشمن تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بڑے ہوئے تو اللہ نے ان کی روحانی و اخلاقی تعلیم کا بندوبست اس طرح کیا کہ انھیں

ایک جھگڑے کی وجہ سے مصر سے نکال کر مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچا دیا۔ بعد میں حضرت شعیب علیہ السلام ہی کے گھر میں ان کی شادی ہوئی۔ حضرت شعیب علیہ السلام اللہ کے نبی تھے۔ انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا اور انھیں اعلیٰ اخلاقی صفات سے مزین کیا۔

نُبوّت و بِعْثت

ایک عرصہ تک مدین میں رہنے اور دین کی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام مصر واپس لوٹے۔ راستے میں جبل طُور کے پاس سے گزرے تو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی اور حکم دیا کہ مصر جا کر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام سناؤ۔ بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم و جبر سے آزاد کراؤ۔ فرعون کو ہدایت کی راہ دکھاؤ۔

شیخ مدین کی بکریاں چرانے والا چرواہا دنیا کی بڑی سلطنت کے فرعون جیسے متکبر بادشاہ کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۝ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝ (النّٰزعات: ۱۷-۱۹)

"(اور حکم دیا) کہ فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو رہا ہے اور (اس سے) کہو کہ کیا تو چاہتا ہے کہ پاک ہو جائے۔ اور میں تجھے تیرے پروردگار کا راستہ بتاؤں تاکہ تجھ کو خوف (پیدا) ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دلیل نبوت کے طور پر دو بڑے معجزات عطا کیے۔ ان میں سے ایک عصا (لاٹھی) اور دوسرا ید بیضاء، (ہاتھ میں روشنی) کا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنا عصا میدان میں ڈالتے تو وہ اژدھا بن جاتا اور اپنا داہنا ہاتھ اپنی بغل میں دبا کر باہر نکالتے تو وہ نور سے چمکنے لگ جاتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ معجزات اور اپنے رب کی ہدایت لے کر مصر آئے اور اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو ساتھ لے کر فرعون کے دربار میں جا پہنچے اور اسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پہنچا دیا:۔

اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ ۝ (الشعراء: ۱۶-۱۷)

جمہ: "ہم تمام جہان کے مالک کے بھیجے ہوئے ہیں۔ (اور اس لیے آئے ہیں) کہ آپ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دیں۔"

انبیاء کرام علیہم السلام انسانوں کو صرف روحانیت، آخرت اور عبادت ہی کے بارے میں بتانے کے لیے نہیں آتے بلکہ ان کی دنیا سدھارنے، انھیں انسانوں کی غلامی اور ظلم سے آزاد کرانے اور باعزت انسان بنانے کے لیے بھی کام کرتے تھے۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو فرعون کی غلامی، ظلم و جبر اور قید سے آزاد کرانے کی بات کی اور فرعون سے ان کو آزاد کرنے کو کہا۔ فرعون جیسا مغرور انسان ان باتوں کو کیسے برداشت کرسکتا تھا۔ اس لیے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دین کی بنیادی باتوں پر بحث کی۔ فرعون نے پہلے تو ان پر اپنے احسانات جتا کر انھیں جھکانے کی کوشش کی۔ اپنی خدائی اور اپنے رب (پالنے والا) ہونے کا رعب جتایا۔ اپنے ملک کی وسعت، دھن دولت، سونے چاندی اور دریائے نیل کی خوشحالی، محلات اور لشکر کے بارے میں سوال پوچھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہر بات کا جواب دلیل سے دیتے رہے۔

فرعون دلائل میں ناکام رہا تو یہ گفتگو ہوئی:-

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (الشعراء: ۲۹-۳۱)

ترجمہ: "اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تمھیں قید کردوں گا۔ (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا خواہ میں آپ کے پاس روشن چیز لاؤں (یعنی معجزہ)؟ (فرعون نے) کہا اگر سچے ہو تو اسے لاؤ (دکھاؤ)۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھرے دربار میں اپنا عصا پھینکا تو وہ بڑا ہیبتناک اژدھا بن کر پھونکارنے لگا۔ پھر انھوں نے اپنا دایاں ہاتھ اپنی بغل میں دبا کر نکالا تو سورج کی طرح چمکنے لگا۔ ان دو معجزوں سے دربار میں سناٹا چھا گیا اور فرعون اور اس کے درباری حیرت زدہ ہوگئے۔ فرعون نے درباریوں سے کہا کہ یہ بڑا جادوگر ہے جو جادو کے ذریعے تمھارا ملک چھیننا چاہتا ہے۔

جادوگروں کا ایمان لانا

اب فرعون نے درباریوں سے مشورہ کیا کہ جادو کا مقابلہ جادو سے کیا جائے۔ اس مقابلے کے لیے قومی میلے کا دن مقرر کیا تاکہ زیادہ لوگ اس میں شریک ہو کر مقابلہ دیکھیں۔ آخر یہ مقابلہ منعقد ہوا۔ جادوگروں نے اپنی رسیاں پھینکیں، جو جادو کے اثر سے سب دیکھنے والوں کو سانپ دکھائی دیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا پھینکا تو وہ عظیم اژدھا بن کر ان سب مصنوعی سانپوں کو نگل گیا۔ جادوگر جو جادو کا فن جانتے تھے سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں ہوسکتا، بلکہ حقیقت کچھ اور

ہے۔ اس لیے وہ ایمان لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان کے ایمان کو اس طرح بیان فرمایا:۔ "پس سب جادوگر سجدہ میں گر گئے (اور) کہنے لگے ہم ہارون اور موسیٰ کے ربّ پر ایمان لے آئے۔" (طٰہٰ:۷۰) فرعون نے جادوگروں کو بڑی دھمکیاں دیں اور سخت ڈرایا دھمکایا، لیکن وہ ایمان پر مضبوطی سے قائم رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون، اس کے درباریوں اور اس کی قوم میں دعوتِ دین کا کام کرنے کے ساتھ ساتھ بنی اسرائیل میں بھی دین کی تعلیم و تربیت کا کام جاری رکھا۔ ان لوگوں نے گھروں میں مسجدیں بنائیں۔ نماز کا نظام قائم کیا۔ اور دین پر عمل کرتے رہے۔

بنی اسرائیل کی رہائی اور فرعون کی غرقابی

آخر کار جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات ماننے سے صاف انکار کردیا، تب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے رات کو نکلے اور فلسطین کی طرف روانہ ہوئے۔ صبح کو فرعون اور اس کے لشکر نے ان کا پیچھا کیا اور بحر احمر کے کنارے جالیا۔ جب بنی اسرائیل نے اسے دیکھا تو بڑے گھبرائے اور پریشان ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے سمندر پر اپنا عصا مارا اور وہ درمیان سے پھٹ کر دو حصے ہوگیا اور راستہ بن گیا۔ چنانچہ بنی اسرائیل پار ہوگئے۔ لیکن فرعون اور اس کا لشکر جب درمیان میں پہنچا تو پانی کے دونوں حصے اللہ کے حکم سے آپس میں مل گئے۔ اس طرح فرعون اور اس کا لشکر غرق ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندر نے اس کی لاش کو دنیا کی عبرت کے لیے باہر پھینک دیا۔ مصریوں نے اپنی روایات کے مطابق اسے حنوط کرکے محفوظ کرلیا۔ بنی اسرائیل سلامتی اور امن سے اپنے پرانے علاقے میں پہنچ گئے۔

عبرت و نصیحت

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصے میں بڑی عبرت اور نصیحت کی باتیں ہیں۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دین کے لیے محنت اور کوشش، ان کی جرأت اور بہادری، ان کی حکمت و دانائی اور مظلوموں کی مدد کا سبق پوشیدہ ہے۔ اس سے صبر و استقامت اور دین کے لیے مسلسل محنت کا سبق ملتا ہے۔ فرعون کا غرور و تکبّر، خدائی کا دعویٰ، حکومت و دولت کا نشہ اور اس کا برا نتیجہ سامنے آتا ہے۔ اتنا لاؤ لشکر اور بڑا ملک رکھنے کے باوجود جب اللہ کی پکڑ ہوتی ہے تو اسے کوئی طاقت بچا نہ سکی اور وہ ذلت سے غرق ہوگیا اور اپنے بُرے انجام کو جا پہنچا۔ اس سے باطل کے بُرے انجام اور اللہ کے احکام سے منہ موڑنے کا نتیجہ سامنے آتا ہے۔

مشق

۱- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش و پرورش کی تفصیل بیان کریں۔

۲- جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کس طرح ایمان لائے؟

۳- فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان جو باتیں ہوئیں، اپنے لفظوں میں بیان کریں۔

۴- فرعون کی غرقابی کا قصہ بیان کیجیے۔

۵- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے۔؟



(ب) روشنی کی طرف سفر

حضرت زیدؓ بن حارثہ

حضرت زیدؓ بن حارثہ وہ واحد خوش نصیب صحابی ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نام لے کر ذکر فرمایا ہے۔ اس شرف و فضیلت میں کوئی دوسرا صحابی ان کا شریک نہیں۔ یہ حضرت محمد ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے تھے۔ آپؓ سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے ایک ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ بے حد عزیز تھے۔ ان کے حالات زندگی میں ہمارے لیے عبرت و نصیحت اور رہنمائی کی بہت سی باتیں ہیں۔

غلام بنایا جانا

زید تقریباً آٹھ سال کے لڑکے تھے کہ ان کی والدہ سُعدیٰ انھیں ساتھ لے کر اپنے آبائی خاندان میں گئی۔ راستے میں ان لوگوں پر بَنُوقَیْن قبیلے کے لوگوں نے لوٹ مار کے لیے حملہ کیا اور مالِ غنیمت کے ساتھ انھیں بھی غلام بنا کر لے گئے۔ عُکاظ کی منڈی میں حَکِیم بِنْ حِزَام کے ہاتھ چار سو درہم میں فروخت کردیا۔ حکیم بن حزام نے انھیں اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کو تحفہ کے طور پر پیش کردیا۔ تھوڑے عرصے بعد حضرت خدیجہؓ نے حضرت محمد ﷺ سے شادی کرلی اور اپنے غلام زید بن حارثہ کو آپ ﷺ کی خدمت میں تحفے کے طور پر پیش کردیا۔

زید کی تلاش

زید کی والدہ ان کی جدائی میں آنسو بہاتی رہتیں۔ انھیں یہ بھی پتہ نہ تھا کہ زید زندہ ہے یا فوت ہوگیا ہے۔ زید کے ماں باپ نے اُن کی ہر طرف تلاش جاری رکھی۔ حج کے دنوں میں زید کے قبیلے کے کچھ لوگوں نے انھیں مکے میں دیکھ لیا اور واپس جاکر اُن کے والد کو پتہ بتایا۔ اُن کے والد حارثہ نے سواری تیار کی۔ مناسب رقم لی اور اپنے بھائی کَعْب کو ساتھ لے کر تیزی سے مکے روانہ ہوگئے۔ حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا: "اے فرزند عبدالمطّلب! تم لوگ بیت اللہ کے پڑوسی ہو۔ ہم آپ ﷺ کے پاس اپنے بیٹے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ جو قیمت چاہو لے لو اور اسے ازراہ کرم ہمارے حوالے کردو۔"

زید کا حُسنِ انتخاب

حضرت محمد ﷺ نے کہا: "فدیہ لے کر آزاد کرنے سے زیادہ بہتر بات نہ کروں؟ میں اسے تمھارے سامنے بلوالیتا ہوں۔ معاملہ اس کی مرضی پر چھوڑ دیتے ہیں۔ تمھارے ساتھ جانا چاہے تو میں بغیر مال کے چھوڑ دوں گا اور اگر وہ میرے ساتھ رہنا چاہے، تو میں ایسے آدمی کو تمھارے حوالے نہیں کر سکتا، جو میرے پاس رہنا چاہتا ہو۔ انھوں نے کہا آپ (ﷺ) نے تو انصاف سے بھی بڑھ کر بات کی ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے اسے بلا کر پوچھا: "یہ دونوں حضرات کون ہیں؟ حضرت زیدؓ نے کہا: "یہ میرے باپ حارثہ ہیں اور یہ میرے چچا کعب۔" حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: "میں تجھے اختیار دیتا ہوں۔ چاہو تو ان کے ساتھ چلے جاؤ، چاہو تو میرے ساتھ رہو۔" حضرت زیدؓ نے فوراً جواب دیا کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ رہوں گا۔ حضرت زیدؓ کے باپ نے کہا: "زید افسوس کی بات ہے۔ اپنے ماں باپ کے مقابلے میں غلامی پسند کر رہے ہو!" حضرت زیدؓ نے برجستہ جواب دیا:۔

"میں نے ان میں وہ چیز دیکھی ہے کہ میں کبھی ان سے جدائی اختیار نہیں کر سکتا۔"

سبحان اللہ! نبوت سے پہلے بھی یہ کتنے عظیم تھے! کتنا بلند تھا ان کا اخلاق! اور کتنا اچھا سلوک تھا ان کا غلاموں تک کے ساتھ!

زید کا شرف

حضرت محمد ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور بیت اللہ میں جا کر اعلان کر دیا: "اے گروہِ قُریش! گواہ رہو۔ یہ میرا بیٹا ہے۔ یہ میرا وارث ہے۔ اور میں اس کا وارث ہوں۔" باپ اور چچا خوشی خوشی حضرت زیدؓ کو آپ ﷺ کے پاس چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ حضرت زیدؓ کتنے خوش نصیب تھے! لیکن اس وقت انھیں کیا خبر تھی کہ انھوں نے دنیا کی کتنی بڑی نعمت چن لی ہے۔ انھیں کیا پتہ تھا کہ وہ اس عظیم الشان عمارت کی پہلی اینٹ بننے والے تھے، جو رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔ چند ہی سال بعد حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرما دی۔

حضرت زیدؓ سے رسول اللہ ﷺ کی محبّت

حضرت زیدؓ بن حارثہ نبی اکرم ﷺ کے انتہائی قریبی ساتھی تھے۔ آپ ﷺ جو وفود یا جنگی مہمّات کے لیے جو لشکر روانہ فرماتے تو اکثر قیادت انھی کے سپرد کرتے اور مدینے سے آپ ﷺ کی غیر حاضری کے دوران بعض اوقات وہ جانشینی کا فریضہ سر انجام دیتے۔ رسول اللہ ﷺ آپ سے بہت شفقت اور محبت کا اظہار فرماتے۔ حضرت زیدؓ باہر

جاتے تو اُن کی واپسی پر رسول اللہ ﷺ جس قدر خوش ہوتے اتنا کسی اور کی واپسی پر نہ ہوتے تھے۔ حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ زیدؓ بن حارثہ ایک دفعہ مدینے سے باہر گئے ہوئے تھے۔ واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ میرے مکان میں تشریف فرما تھے۔ حضرت زیدؓ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ ﷺ کی کمر پر صرف ایک معمولی سا تہہ بند تھا۔ اسی میں دروازے کی طرف لپکے۔ اور حضرت زیدؓ کو گلے سے لگایا اور بوسہ دیا۔ حضرت زیدؓ اور رسول اللہ ﷺ کی باہمی محبت کی بنا پر لوگ حضرت زیدؓ کو "زَیْدُ الْحِبّ" اور "حِبُّ رَسُوْلِ اللہِ" (اللہ کے رسول کے محبوب) کے لقب سے پکارنے لگے تھے۔

قیادت وشہادت

۸ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے شاہ بُصریٰ کو اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے حضرت حارثؓ بن عُمَیر کو مقرر فرمایا۔ جب حارث شَرقِ اُردُن میں مُوتہ کے مقام پر پہنچے تو ایک غسّانی حاکم شُرَحبیل بن عَمرو نے انھیں گرفتار کرلیا اور بعد میں انھیں شہید کردیا۔ اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے کسی سفیر کے ساتھ ایسی زیادتی نہ ہوئی تھی اور یہ بات ویسے بھی مُسَلَّمہ بین الاقوامی آداب سفارت کے خلاف تھی اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے تین ہزار کا لشکر دے کر حضرت زیدؓ بن حارثہ کو موتہ روانہ فرمایا۔ اور ہدایت فرمائی کہ اگر زیدؓ شہید ہوجائیں، تو لشکر کی قیادت جعفر طیارؓ سنبھال لیں اور اگر وہ بھی شہید ہوجائیں تو لشکر کی قیادت عبداللہ بن رواحہؓ کے سپرد ہوگی۔

اسلامی لشکر شرق اردن میں "مَعان" کے مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ ایک لاکھ رومی اور ایک لاکھ مشرکین عرب کا لشکر مقابلے کے لیے تیار ہے۔ مُوتہ کے مقام پر تین ہزار مسلمانوں کا دو لاکھ کے لشکر کفار سے مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ نے بے مثال شجاعت کے ساتھ اسلامی لشکر کی رہنمائی کی۔ یہاں تک کہ سیکڑوں تیروں نے آپ کا جسم چھلنی کردیا اور حضرت زیدؓ بن حارثہ کو شہادت نصیب ہوئی۔ جھنڈا حضرت جعفرؓ نے اور ان کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اور اُن کی شہادت کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے سنبھالا۔ جو لشکر اسلام کو کفار کے نرغے سے نکال لائے۔

تعزیت کا منظر

رسول اللہ ﷺ حضرت زیدؓ کے گھر تعزیت کے لیے گئے تو اُن کی چھوٹی سی بیٹی آپ ﷺ سے لپٹ کر رونے لگی۔ رسول رحمت ﷺ اس قدر غمزدہ ہوئے کہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور ہچکی بندھ گئی۔ مشہور اسلامی جرنیل حضرت اُسامہؓ حضرت زیدؓ کے فرزند تھے۔

حضرت زیدؓ کی رسول اللہ ﷺ سے بے مثال محبت ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے اور اسلام کے لیے آپؓ کی عظیم قربانیاں ہمارے لیے ایک اعلیٰ مثال ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بھی رسول پاک ﷺ کی محبت و اطاعت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیں اور دین اسلام کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہ کریں۔

مشق

۱۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ کی خصوصی فضیلت بیان کریں۔

۲۔ حضرت زیدؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کس طرح پہنچے؟

۳۔ حضرت زیدؓ کے والد اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان گفتگو کا واقعہ بیان کریں۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ کی حضرت زیدؓ کے ساتھ شفقت و محبت کی کوئی مثال بیان کریں۔

۵۔ جنگِ مُوتہ کس وجہ سے ہوئی؟ اس میں حضرت زیدؓ کا کردار بیان کریں۔

۶۔ خالی جگہ پُر کریں:۔

(الف) حضرت زیدؓ وہ واحد صحابی ہیں جن کا .... نے نام لے کر ذکر فرمایا ہے۔

(ب) حضرت زیدؓ نے جنگِ .... میں شہادت حاصل کی۔

(ج) حضرت .... حضرت زیدؓ کے فرزند تھے۔

(د) حکیم بن حزام نے حضرت زیدؓ کو .... کی منڈی سے .... درہم میں خریدا تھا۔

(ہ) رسول اللہ ﷺ کی محبت کی وجہ سے لوگ حضرت زیدؓ کو .... کہنے لگے۔

(و) رسول اللہ ﷺ کے سفیر حضرت .... کو ایک غسانی حاکم .... نے شہید کرادیا۔

(ز) مُوتہ کے مقام پر صرف .... مسلمانوں نے کافروں کے .... کے لشکر کا مقابلہ کیا۔



تیار کردہ و منظور شدہ: وفاقی وزارتِ تعلیم، حکومت پاکستان
بذریعہ سرکلر نمبر F-1-12/97-1E-17
مورخہ 10 جنوری 1998ء واحد درسی کتاب برائے مدارس صوبہ سندھ

قومی ترانہ

پاک سر زمین شاد باد — کشورِ حسین شاد باد
تو نشانِ عزمِ عالی شان — ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سر زمین کا نظام — قوّتِ اخوّتِ عوام
قوم، ملک، سلطنت — پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مراد

پرچم ستارہ و ہلال — رہبرِ ترقی و کمال
ترجمانِ ماضی، شانِ حال — جانِ استقبال
سایۂ خدائے ذوالجلال

سلسلہ وار نمبر		پبلشر کوڈ نمبر 1	
ماہ و سالِ اشاعت	ایڈیشن	تعداد	قیمت
February-2001	First	50,000	10.75